آدابِ فتویٰ
مصنف
شیخ الحدیث والتفسیر مفتی محمد قاسم قادری مدظلہ العالی
باب الاسلام
پبلشرز

مصنف

سن اشاعت .... مارچ 2015ء

تعداد 1100

ہدیہ 200

ناشر .... جاوید اقبال

باہتمام .... محمد نوید رضا عطاری المدنی

Ph:022-2662476 Cell:0311-1555408

مکتبہ باب الاسلام
شاہی روڈ جالندھر سویٹ
کے سامنے والی گلی رحیم یار خان
0311-6714481

مکتبہ باب الاسلام
آفندی ٹاؤن زم زم نگر فیضان مدینہ حیدرآباد سندھ
022-2662476
0310-3055563,0311-1555408
Email:maktababababulislam@gmail.com

مکتبہ باب الاسلام
فیضان مدینہ چوک زیب کلینک
سوساں روڈ فیصل آباد
0315-3717312

فہرست

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
1	پیشِ لفظ	12
2	تعارف مصنف	13
3	مقدمہ	21
4	مفتی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم	28
5	مفتی تابعین کرام رضی اللہ عنہم	28
6	مفتی تبع تابعین رضی اللہ عنہم	28
7	باب اول	32
8	فتوی کے معنی اور اس سے متعلق آیات قرآنیہ واحادیث نبویہ	32
9	فتوی کا عام فہم معنی	32
10	قرآن پاک کے فتاوی اور سوالات	32
11	نامناسب سوال اور قرآن کا بیان	37
12	دوسرا باب (آدابِ سائلین کے بارے میں)	43
13	علماء کی بارگاہ میں آنے کا طریقہ	43
14	کس وقت مفتی سے سوال نہ کیا جائے؟	44
15	سائلین کو چند مفید مشورے	44

16	من پسند فتوے پر عمل کرنا	45
17	مفتی کی غلطی پھیلانا	46
18	تیسرا باب (اس میں مفتی کیلئے آداب و رسوم افتاء بیان کئے جائیں گے)	49
19	طبقات فقہاء	53
20	مفتیانِ کرام کیلئے ایک اہم ہدایت	56
21	مفتی ناقل کی تعریف	58
22	فتوے کی اہمیت اور اسلاف کا طرزِ عمل	62
23	فتوی دینے میں صحابہ کرام علیہم الرضوان کا طرزِ عمل	63
24	فتوی دینے میں تابعین کرام علیہم الرضوان کا طرزِ عمل	63
25	فتوی دینے میں امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کا طرزِ عمل	64
26	فتوی دینے میں امام شافعی رضی اللہ تعالٰی عنہ کا طرزِ عمل	64
27	فتوی دینے میں امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالٰی عنہ کا طرزِ عمل	64
28	فتوی دینے میں امام مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ کا طرزِ عمل	65
29	فتوی دینے میں امام سفیان بن عیینہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کا طرزِ عمل	65
30	غلط فتوی دینے کی سخت وعید	66
31	حکومت اور مدارس کے بڑے اساتذہ کی ذمہ داری	68

32	کیا ہر مسئلے کا جواب دینا واجب ہے؟	68
33	علم چھپانے کی ناجائز صورتیں	71
34	علم چھپانے کی جائز صورتیں	76
35	اگر مفتی کوئی مسئلہ نہ جانتا ہو۔	83
36	بغیر علم کے دعوی ہلاکت کا سبب ہے	86
37	ہر مسئلے کا جواب دینا	86
38	ایسا فتوی دینا جس سے لوگ فتنے میں پڑیں	87
39	فتوی کے آداب	90
40	مفتی کب فتوی دے؟	91
41	سوال میں احتیاطیں	93
42	سائلین کو ترتیب سے جواب دینا	94
43	مفتی سوال نہایت غور سے سمجھے	95
44	سوال میں اشکال نہیں رہنا چاہیے	95
45	کسی خاص شخص کے بارے میں فتوی	96
46	مفتی کا سائل کی حالت پر غور کرنا	97
47	سائل پر نرمی کرنا	102
48	سائل کی خیر خواہی	102

49	مفتی کا امر بالمعروف کرنا	103
50	سوال سے زائد جواب دینا	104
51	امت پر آسانی پیدا کرنا	104
52	عقائد کے دقیق مسائل پر جواب	107
53	عقائد کے مسائل میں فتوی دینا	108
54	فتوی دینے میں جانبداری	109
55	جلد بازی میں فتوی نہ دیا جائے	112
56	جواب لکھنے میں غور کرنا	113
57	معین جواب دیا جائے	114
58	جواب مجمل نہ ہو۔	114
59	مشکل الفاظ استعمال نہ کریں۔	115
60	حیاوالے الفاظ کا استعمال	115
61	تحریری فتوی دینا	116
62	فتوی شروع کرنے سے پہلے دعا	116
63	تحریری فتوے میں چند احتیاطیں	117
64	صاف ستھرے انداز میں فتوی لکھنا	117
65	تحریری فتوی میں ایک احتیاط	117

66	جواب سوال کے مطابق ہونا چاہیے	118
67	جواب میں بعض چیزوں کی کمی یا زیادتی کرنا	119
68	وراثت کے مسائل میں ایک اہم ہدایت:	119
69	جواب کتنا طویل ہو؟	120
70	مفتی جواب میں مناسب تنبیہات لکھ دے	121
71	فتوی میں قرآن وحدیث کا استعمال	121
72	فتاوی رضویہ سے مثال:	123
73	فتوی میں مشاورت کرنا	128
74	پروف ریڈنگ	128
75	فتوے کے آخر میں نام لکھنا	129
76	فتوی کن کتابوں سے نہ دیں؟	130
77	ہر مسئلے میں اس کے اصل ماخذ کو دیکھیں	131
78	مسئلہ بیان کرنے میں غلطی کرنے کی بنیادی وجہ	135
79	قول صوری، قول ضروری	139
80	اسباب ستہ	140
81	فتوی نویسی کا اہم اصول	141
82	مسائل کی پہلی قسم	142

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
83	مسائل کی دوسری قسم	142
84	مسائل کی تیسری قسم	143
85	امام محمد علیہ الرحمہ کی کتابوں کی ترتیب	143
86	اگر کسی مسئلے میں مجتہد سے دو قول مروی ہوں	144
87	کسی مجتہد کے ایک مسئلے میں مختلف اقوال ہونے کی وجہ:	147
88	مجتہد کا کسی مسئلے سے رجوع کر لینا	148
89	فقہ حنفی میں مختلف اقوال کیوں؟	148
90	رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث کے مقابلے میں کسی کے قول پر عمل نہیں ہوگا۔	149
91	اقوالِ ائمہ کے بارے میں اہم ہدایت	149
92	ائمہ دین کے اقوال کا مطلب	150
93	فقہ حنفی کے مسائل کی اقسام	151
94	اقوالِ ائمہ پر عمل کرنے کی ترتیب	151
95	اقوالِ ائمہ پر عمل کرنے کی ترتیب کے متعلق دو اہم ہدایات	152
96	فتوی کی اقسام: فتوی حقیقی، فتوی عرفی	153
97	فتوی نویسی میں ایک اہم ہدایت:	153
98	صرف اصول وقواعد کو دیکھ کر فتوی لکھنا:	156

99	فتویٰ نویسی میں چند اہم اصول:	159
100	فقہی کتابوں کی تین اقسام:	160
101	متونِ فقہ	162
102	شروحِ فقہ	162
103	فتاوائے فقہ	163
104	مختلف کتابوں کے مختلف انداز:	164
105	ترجیح کے لئے استعمال ہونے والے الفاظ:	165
106	الفاظِ افتاء کے حوالے سے ایک اہم تنبیہ:	166
107	رسم المفتی کے اصولوں پر مبنی ایک شاہکار فتوی	168
108	صحیح اور اصح کے مسئلے کی تفصیل:	182
109	مفہوم کی مباحث	184
110	مفہوم کی اقسام	184
111	مفہوم موافق، مفہوم مخالف	184
112	احناف وشوافع میں اختلاف:	185
113	مفہوم مخالف معتبر ہے یا نہیں؟	185
114	فقیہ کی تعریف	186
115	مفتی عرف سے واقف ہو۔	187

116	عرف کی بحث:	188
117	عرف کی مثالیں	188
118	عرف کی بنا پر کون مسائل میں تبدیلی کر سکتا ہے؟	192
119	عرف اور اصلِ حکم میں تعارض کا حکم:	194
120	عرف کی اقسام (1) عرف عام (2) عرف خاص۔	194
121	عرفِ عام کی آسان الفاظ میں تفہیم	195
122	عرف کی مزید اقسام (1) عرف صحیح (2) عرف فاسد۔	196
123	مفتی کیلئے عرف عام کا لحاظ کرنا ضروری ہے	197
124	ضعیف قول پر عمل کرنے کا حکم:	199
125	اگر کسی مسئلہ میں علماء کا اختلاف	200
126	مفتی اگر غلط فتوی دیدے	201
127	خاتمہ مع قواعدِ فقہ	205

انتساب

راقم الحروف اپنی اس کتاب کو ائمہ مجتہدین رحمہم اللہ کی طرف منسوب کرتا ہے جن کی محنتوں اور مجتہدانہ کاوشوں کی برکت سے آج امت کو دین آسان صورت میں ملا ہوا ہے۔

ابو الصالح محمد قاسم قادری عفی عنہ

پیشِ لفظ

افتاء نہایت مہتم بالشان کام اور اہم دینی ذمہ داری ہے۔شریعت پر عمل کرنے کی سب سے اہم بنیاد شرعی مسائل کا معلوم ہونا ہے اور شرعی مسائل معلوم کرنے کا سب سے بڑا ذریعہ مفتیانِ کرام سے مسائل معلوم کرنا ہے۔ مسائل پوچھنا اور ان کا جواب دینا دونوں نہایت ہی اہم کام ہیں۔محدثین وفقہاء کرام نے ان کے باقاعدہ اصول وقواعد تحریر فرمائے ہیں۔یہ کتاب بھی انہی اصولوں کے بیان پر مشتمل ہے۔اس کتاب کا مواد حاصل کر کے تنقیح و توضیح وتشریح کا کام راقم الحروف نے کیا ہے جبکہ تبویب وتحسین ترتیب کا کام عزیزی مولانا محمد کفیل رضا مدنی زید مجدہ نے کیا ہے۔اللہ تعالیٰ اس سعی کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے اور اسے میری، میرے والدین اور اساتذہ کی بخشش کا ذریعہ بنائے۔

ابوالصالح محمد قاسم قادری عفی عنہ

تعارفِ مصنف

نام: محمد قاسم

ولدیت: حاجی محمد عبداللہ

کنیت: ابوالصالح

القاب: شیخ الحدیث والتفسیر، مفتی

درس وتدریس: 2000ء سے تدریس کا سلسلہ جاری ہے۔ تدریس کا سلسلہ جامعۃ المدینہ گلستان جوہر کراچی، فیضانِ مدینہ کراچی اور فیضانِ مدینہ فیصل آباد میں رہا اور فی الحال فیضانِ مدینہ کراچی میں تدریس کا سلسلہ جاری ہے۔

بیعت وخلافت: بیعت کا سلسلہ امیر دعوتِ اسلامی، شیخ طریقت، امیرِ اہلسنت، مولانا محمد الیاس عطار قادری دامت برکاتہم العالیہ سے ہے۔

حج وزیارت مدینہ: 2004ء میں عمرہ اور 2006ء میں حج کی سعادت حاصل ہوئی۔

مفتی صاحب کی طبیعت: قبلہ مفتی صاحب ایک اچھی طبیعت کے مالک ہیں

آپ کی طبیعت میں سنجیدگی، مزاح، جلال، جمال تمام چیزیں ہی پائی جاتی ہیں آپ ایک زبردست مفتی اور شیخ الحدیث والتفسیر ہونے کے باوجود ایک متحمل مزاج کے مالک ہیں، آپ کا اپنے شاگردوں سے معاملہ ایک استاد شاگرد کا ہی نہیں بلکہ ایک بہترین دوست کا بھی ہے آپ اپنے طلباء اور ماتحتوں پر شفیق و مہربان ہیں۔

مفتی صاحب بطور مدرس: مفتی صاحب ایک مفتی ہونے کے ساتھ ساتھ ایک بہترین مدرس بھی ہیں آپ کا تدریس میں تفہیمی انداز سبق کو بہت آسان کر دیتا جس سے طلباء کو اس سبق کو سمجھنے میں بہت آسانی ہوتی ہے آپ سبق کی تقریر میں ماحول کو تازہ رکھنے کیلئے بعض اوقات خوش مزاجی بھی فرماتے ہیں اور سبق میں موجود مسئلہ کو حالاتِ حاضرہ کے مسائل سے تطبیق بھی دیتے ہیں انہیں خصوصیات کی بناء پر آپ طلباء میں ہر دلعزیز ہیں اور جامعہ کے تمام طلباء کی خواہش یہی ہوتی ہے کہ قبلہ مفتی صاحب کا پیریڈ انکے درجہ میں ہو۔

مفتی صاحب بطور مفتی: مفتی صاحب نے جس طرح یہ کتاب لکھی، پڑھنے والے کو اس کتاب کے پڑھنے سے خود ہی اندازہ ہو جائے گا کہ ایسی کتاب لکھنے والا ماہر مفتی کے علاوہ اور کوئی نہیں ہو سکتا لیکن اسکے باوجود راقم الحروف کو مفتی صاحب

کے پاس چونکہ کم وبیش دو سال کا عرصہ افتاء کی تربیت میں گزرا اور اب بھی آپ ہی سے فیض حاصل کررہا ہوں تو وہ چند باتیں بغیر مبالغہ کے قارئین کے نذر کروں گا جن کا راقم نے خود مشاہدہ کیا ہے۔

قبلہ مفتی صاحب واقعی ایک بہترین فقہی صلاحیت والے مفتی ہیں اور راقم نے اس کتاب میں موجود تمام اصولِ افتاء پر آپ کو عمل کرتا پایا آپ کا تربیتِ افتاء کا انداز اس قدر دلنشین ہے کہ مختلف اسلامی بھائیوں کا نظریہ یہ ہے کہ اگر مفتی بننا ہے تو مفتی قاسم صاحب کی تربیت میں رہ کر افتاء کی مشق کی جائے۔

آپ جہاں فتوی لکھنے والے کو غلط فتوی لکھنے پر تنبیہ فرماتے ہیں وہیں ایک دلنشین انداز میں اسکو سمجھاتے بھی ہیں اور اسکی غلطی کی منشاء کی طرف بھی توجہ دلاتے ہیں تاکہ آئندہ اس قسم کی غلطی ان سے نہ ہو، آپ افتاء کے معاملہ میں کسی بھی مسئلہ پر اپنے ماتحتوں سے مشورہ کرنے یا انکی رائے لینے پر جھجکتے نہیں بلکہ بسا اوقات انکی رائے درست ہونے کی صورت میں اسے قبول بھی کرتے ہیں اور اسکی حوصلہ افزائی بھی فرماتے ہیں۔

آپ کے قلم اور تصدیق سے اب تک کم وبیش 30,000 فتاوی ملک وبیرون ملک جاری ہو چکے ہیں اسکے باوجود احتیاط کا دامن ہاتھ سے جانے نہیں

دیتے بلکہ جواب نہ معلوم ہونے کی صورت میں توقف یا اللہ اعلم کا جواب ارشاد فرمانے میں ذرا سا بھی نہیں جھجکتے۔

آپ کی انہی صلاحیتوں کی بناء پر آپ استاذ الاساتذہ ہونے کے ساتھ ساتھ مفتی المفتیین بھی ہیں۔

فقہ میں مہارت: مفتی صاحب فقہ میں بہترین مہارت کے حامل ہیں جزئیات پر کثیر نظر ہے بالخصوص فتاوی رضویہ، بہار شریعت، فتاوی شامی، فتاوی رضویہ جو کہ اس وقت 33 ضخیم جلدوں میں ہے اس کا آپ نے بالاستیعاب کئی مرتبہ مطالعہ فرمایا ہے بہار شریعت جو کہ موجودہ دور میں اردو کا فتاوی عالمگیری ہے اس کا کئی بار مطالعہ فرمایا ہے اور انکے جزئیات پر نظر فقہی بھی ہے

بہت سے مسائل جن کا حل نہیں ہو رہا ہوتا آپ سے اس مسئلہ پر مشورہ کرنے کے بعد اسکی شقوں کی وضاحت ہو جاتی ہے اور ان شقوق کی روشنی میں مسئلہ کا جواب دینا بہت آسان ہو جاتا ہے۔

مفتی صاحب کا علمی ذوق اور مطالعہ: مفتی صاحب کا ذکر کروں اور آپ کے مطالعہ کا تذکرہ نہ کروں تو گویا آپ کے جسم کے ایک عضو کو میں نے آپ سے جدا

کردیا۔

کتابوں کا مطالعہ مفتی صاحب کے جسم ایک عضو کی حیثیت رکھتا ہے سفر میں ہوں یا حضر میں ہر جگہ کتاب میں آپ کے ہاتھ میں دیکھی جاتی اور اللہ عزوجل کی عطاء سے آپ کو وہ صلاحیت حاصل ہے کہ کئی کئی جلدوں کی کتابیں چند دنوں میں پڑھ کر ختم کر دیتے ہیں اور پڑھنے کے ساتھ ساتھ انکے نکات بھی نوٹ کرتے جاتے ہیں جنہیں راقم نے خود مطالعہ کیا ہے ان نکات کے مطالعہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مفتی صاحب کتاب پڑھتے ہوئے اس کتاب پر کتنے اعتبار سے نظر رکھتے ہیں، کوئی بھی نئی کتاب آئی تو اسے متعلق سب سے پہلے ریمارکس راقم کو مفتی صاحب سے ہی ملے کہ اس کتاب میں کیا کیا خوبیاں ہیں اور کیا خامیاں ہیں۔

مفتی صاحب کو جس طرح خود مطالعہ کا شوق ہے اسی طرح آپ اپنا یہ شوق اپنے طلباء اور ماتحتوں میں بھی منتقل کرنا چاہتے ہیں اسی لئے اکثر طلباء و ماتحتوں کے مطالعہ کتب کا فرماتے ہیں اور پھر ان سے معلوم بھی کرتے رہتے ہیں کہ آپ آجکل کیا مطالعہ کر رہے ہیں اور پھر انہیں نئی مفید کتب کے مطالعہ کا مشورہ بھی دیتے ہیں۔

مفتی صاحب کا مطالعہ صرف فقہی موضوعات پر ہی نہیں بلکہ قرآن وحدیث، فقہ وتفسیر، منطق وفلسفہ، رد بد مذہب، سائنسی، سیاسی، تاریخی تمام

موضوعات پر ہی ہے آپ قبلہ مفتی صاحب سے جس موضوع پر گفتگو کریں گے اس میں آپ کو ماہر ہی پائیں گے۔

مفتی صاحب کے نامور تلامذۃ: مفتی صاحب جہاں استاذ الاساتذۃ ہیں وہیں آپ استاذ المفتین بھی ہیں آپ کی تربیت سے فیضیاب ہو کر کئی اسلامی بھائی اس وقت پاکستان کے مختلف دار الافتاؤں میں فتوی نویسی کی خدمت انجام دے رہے ہیں۔ان میں چند کا ذکر کیا جاتا ہے۔

(1) مفتی علی اصغر مدنی (2) مولانا نوازش علی مدنی (3) مولانا سجاد مدنی (4) مولانا ماجد علی مدنی (5) مولانا جمیل مدنی (6) مولانا حسان مدنی (7) مولانا شفیق مدنی (8) مولانا عرفان مدنی (9) مولانا سعید مدنی (10) مولانا نوید رضا (11) راقم الحروف محمد کفیل مدنی

تصانیف و تراجم: مفتی صاحب نے امام اہلسنت کے کئی رسائل کی تسہیل کی اور اسے آسان انداز میں عوام کے سامنے پیش کیا اور اسکے علاوہ کئی دقیق مسائل پر مقالہ جات بھی تحریر فرمائے اور کئی مستقل کتابیں بھی تصنیف فرمائیں مزید یہ کہ حال میں مفتی صاحب نے قرآن پاک کا اردو میں آسان انداز میں ترجمہ بھی کیا ہے جسکا نام

کنز العرفان ہے جو انشاء اللہ عنقریب آپکے سامنے آئے گا۔

(1) ایمان کی حفاظت ہے جس کے کئی ایڈیشن شائع ہو چکی ہے۔

(2) وقف کے احکام

(3) علم اور علماء کی اہمیت

(4) فیضانِ دعا

(5) رحمتوں کی برسات

(6) رسائل قادریہ (جس میں آپ کے مختلف رسائل شامل ہیں جن میں

(ا) الفضل الموھبی اذا صح الحدیث فھو مذھبی کی تسہیل

(ب) تقلید سے متعلق بدمذہبوں کے تمام اعتراضات کے جوابات

(ت) میلاد نبی کا ثبوت اور اس سے متعلق اعتراضات کے جوابات

(ث) علمِ غیب کا ثبوت

(ج) اللہ عزوجل جسم سے پاک ہے اسکا ثبوت اور ایک بدمذہب ڈاکٹر کے اعتراضات کے جوابات

(ح) حجیتِ حدیث کا ثبوت اور منکرین حدیث کے اعتراضات کا جوابات

(خ) قتلِ ناحق کا حکم اور اسکی اقسام کی تفصیل

(و) عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم

(ز) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی فضیلت پر ایک جامع مضمون)

بقلم

محمد کفیل رضا مدنی

مقدمہ

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی سید المرسلین اما بعد

فاعوذ باللہ من الشیطن الرجیم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اللہ تعالیٰ کا کروڑ ہا کروڑ احسان ہے کہ اس نے ہمیں دینِ اسلام کی نعمت سے سرفراز فرمایا اور اس کے اصول وقواعد اور کثیر احکام ہمارے سامنے روشن فرمائے جن سے مجتہدین نے روشنی حاصل کر کے امت کیلئے عمل کی راہیں منور کیں۔

علم دین کے حصول کے بغیر مسلمان کیلئے ایک قدم اُٹھانا بھی مشکل ہے۔ علم دین کی اہمیت اپنی جگہ مسلم ہے۔ مسلمانوں پر لازم ہے کہ اپنی ضرورت کے مسائل سیکھیں۔ یہ بات ذہن نشین رکھنی چاہیے کہ ہر آدمی پر اپنی ضرورت کے مسائل سیکھنا ضروری ہے نمازی پر نماز کے، روزہ رکھنے والے پر روزے کے، زکوٰۃ دینے والے پر زکوٰۃ کے، حاجی پر حج کے، تجارت کرنے والے پر خرید وفروخت کے، قسطوں پر کاروبار کرنے والے کے لئے اس کاروبار کے، مزدوری پر کام کرنے والے کے لئے اجارے کے، شرکت پر کام کرنے والے کے لئے شرکت کے، مضاربت کرنے والے پر مضاربت کے (مضاربت یہ ہوتی ہے کہ مال ایک کا ہے اور کام

دوسرا کرے گا اور نقصان جو ہوگا وہ مال والے کا ہوگا)، طلاق دینے والے پر طلاق کے، میت کے کفن ودفن کرنے والے پر کفن ودفن کے، مساجد ومدارس، یتیم خانوں اور دیگر ویلفیئرز کے متولیوں پر وقف اور چندہ کے مسائل سیکھنا فرض ہے۔ یونہی پولیس، واپڈا اور دیگر محکموں کے ملازمین نیز جج اور کسی بھی ادارے کے افسر وناظمین پر رشوت کے مسائل سیکھنا فرض ہیں۔ اسی طرح عقائد کے مسائل سیکھنا یونہی حسد، بغض، کینہ، تکبر، ریاوغیرہا جملہ امور کے متعلق مسائل سیکھنا ہر اس شخص پر لازم ہے جس کا ان چیزوں سے تعلق ہو پھر ان میں فرائض ومحرمات کا علم فرض اور واجبات ومکروہ تحریمی کا علم سیکھنا واجب ہے اور سنتوں کا علم سیکھنا سنت ہے۔

اس مفہوم کی ایک حدیث سیدنا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سرکار صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"علم کا طلب کرنا ہر مومن پر فرض ہے یہ کہ وہ روزہ، نماز اور حرام اور حدود اور احکام کو جانے"۔

(کتاب الفقیہ والمتفقہ جلد 1 صفحہ 43)

اس حدیث کی شرح میں خطیب بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے اس فرمان "علم کا حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے" کا معنیٰ یہ ہے کہ ہر شخص پر فرض ہے کہ وہ اپنی موجودہ حالت کے مسائل سیکھے"۔

(کتاب الفقیہ والمتفقہ جلد 1 صفحہ 45)

اسی طرح کا ایک اور قول حسن بن ربیع رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں

کہ میں نے حضرت عبداللہ بن مبارک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا کہ طلب العلم فریضة علی کل مسلم کی تفسیر کیا ہے؟ فرمایا: ''یہ وہ علم نہیں ہے جس کو تم آج کل حاصل کر رہے ہو بلکہ علم کا طلب کرنا اس صورت میں فرض ہے کہ آدمی کو دین کا کوئی مسئلہ پیش آئے تو وہ اس مسئلے کے بارے میں کسی عالم سے پوچھے یہاں تک کہ وہ عالم اسے بتادے''۔

(کتاب الفقیہ والمتفقہ جلد 1 صفحہ 45)

علی بن حسن بن شفیق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن مبارک رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ علم سیکھنے کے اندر وہ کیا چیز ہے جو لوگوں پر فرض ہے؟ آپ نے فرمایا: ''وہ یہ ہے کہ آدمی کسی کام کی طرف قدم نہ اٹھائے جب تک اس کے بارے میں سوال کر کے اس کا حکم سیکھ نہ لے، یہ وہ علم ہے جس کا سیکھنا لوگوں پر واجب ہے''۔

اور پھر اپنے اس کلام کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا: ''اگر کسی بندے کے پاس مال نہ ہو تو اس پر واجب نہیں کہ زکوۃ کے مسائل سیکھے بلکہ جب اس کے پاس دوسو درہم (ساڑھے باون تولے چاندی یا یونہی ساڑھے سات تولے سونا یا انکی قیمت کے برابر رقم) آجائے تو اس پر واجب ہوگا کہ وہ سیکھے کہ وہ کتنی زکوۃ ادا کرے گا؟ اور کب نکالے گا؟ اور کہاں نکالے گا؟ اور اسی طرح بقیہ تمام چیزوں کے احکام ہیں۔(یعنی جب کوئی چیز پیش آئے گی تو اس کی ضرورت کے مسائل سیکھنا ضروری ہو جائے گا۔)

(کتاب الفقیہ والمتفقہ جلد 1 صفحہ 45)

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ نے ایک تاجر کو تجارت کرنے سے پہلے علم فقہ سیکھنے کا حکم دیا۔

(کتاب الفقیہ والمتفقہ جلد 1 صفحہ 45)

امام ابوبکر احمد بن علی خطیب بغدادی فرماتے ہیں: "ہر مسلمان پر یہ بات واجب ہے کہ وہ کھانے پینے، پہننے میں اور پوشیدہ امور کے متعلق ان چیزوں کا علم حاصل کرے جو اس کے لیے حلال ہیں اور جو اس پر حرام ہیں۔ یونہی جان و مال کے بارے میں جو اس پر حلال ہے یا حرام ہے انہیں سیکھے کیونکہ یہ تمام چیزیں وہ ہیں جن سے بے خبر رہنا کسی کو بھی جائز نہیں ہے اور ہر شخص پر فرض ہے کہ وہ ان چیزوں کو سیکھے۔۔۔۔۔اور امام یعنی حاکم وقت مجبور کرے عورتوں کے شوہروں، اور لونڈیوں کے آقاؤں کو (اور بچوں کے والدین کو) کہ وہ انہیں وہ چیزیں سکھائیں جو ہم نے ذکر کیں اور حاکم وقت پر فرض ہے کہ وہ لوگوں کی اس بارے میں پکڑ کرے اور جاہلوں کو سکھانے کی جماعتیں ترتیب دے اور ان کے لئے بیت المال کے اندر وظیفہ مقرر کرے اور علماء پر واجب ہے کہ وہ جاہلوں کو وہ چیزیں سکھائیں جن سے وہ حق و باطل میں فرق کرلیں۔"

(کتاب الفقیہ والمتفقہ جلد 1 صفحہ 46)

ان تمام اقوال سے روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ علم دین سیکھنا صرف کسی ایک خاص گروہ کا کام نہیں بلکہ اپنی ضرورت کی بقدر علم سیکھنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔ لیکن نہایت افسوس کی بات ہے کہ آج مسلمانوں کی اکثریت علم دین سے دور

نظر آتی ہے۔ نمازیوں کو دیکھیں تو چالیس چالیس سال نماز پڑھنے کے باوجود حال یہ ہے کہ کسی کو وضو کرنا نہیں آتا تو کسی کو غسل کا طریقہ معلوم نہیں، کوئی نماز کے فرائض کو صحیح طریقے سے ادا نہیں کرتا تو کوئی واجبات سے جاہل ہے، کسی کی قرائت درست نہیں تو کسی کا سجدہ غلط ہے۔

یہی حال دیگر عبادات کا ہے خصوصا جن لوگوں نے حج کیا ہو ان کو معلوم ہے کہ حج میں کس قدر غلطیاں کی جاتی ہیں۔ اکثریت ان لوگوں کی ہوتی ہے جو یہ کہتے نظر آتے ہیں کہ بس حج کے لئے چلے جاؤ جو کچھ لوگ کر رہے ہوں گے وہی ہم بھی کرلیں گے۔ جب عبادات کا یہ حال ہے تو دیگر فرض علوم کا حال کیا ہوگا؟

حسد، بغض، تکبر، غیبت، چغلی، بہتان اور نجانے کتنے ایسے امور ہیں جن کے مسائل جاننا فرض ہے لیکن ایک بڑی تعداد کو ان کی تعریف کا پتہ تک نہیں بلکہ ان کی فرضیت تک کا علم نہیں۔ یہ وہ چیزیں ہیں جن کا گناہ ہونا عموماً لوگوں کو معلوم ہوتا ہے اور وہ چیزیں جن کے بارے میں بالکل بے خبر ہیں ان میں کیا حال ہوگا؟ جیسے خرید و فروخت، ملازمت، مسجد و مدرسہ اور دیگر بہت سی چیزیں ایسی ہیں جن کے بارے میں لوگوں کو یہ تک معلوم نہیں کہ ان کے کچھ مسائل بھی ہیں۔ ایک اندھیر نگری مچی ہوئی ہے۔ ایسی صورت میں ہر شخص پر ضروری ہے خود بھی علم سیکھے اور جن پر اسکا بس چلتا ہو انہیں بھی علم سیکھنے کی طرف لائے اور جنہیں خود سکھا سکتا ہے انہیں سکھائے۔

اگر تمام والدین اپنی اولاد کو اور تمام اساتذہ اپنے شاگردوں کو اور تمام پیر

صاحبان اپنے مریدوں کو اور تمام افسران وصاحب اقتدار حضرات اپنے ماتحتوں کو علم دین کی طرف لگا دیں تو کچھ ہی عرصے میں ہر طرف دین اور علم کا دورہ دورہ ہو جائے گا اور لوگوں کے معاملات خود بخود شریعت کے مطابق ہوتے جائیں گے۔

مسائل سے لاعلمی وغفلت کا معاملہ جب اتنی گھمبیر صورت اختیار کر چکا ہے تو ہر شخص اپنی ذمہ داری کو محسوس کر سکتا ہے۔ اس لئے ہر شخص پر ضروری ہے کہ علم دین سیکھے اور حتی الامکان دوسروں کو سکھائے یا اس راہ پر لگائے اور یہ محض ایک مشورہ نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ اور اس کے پیارے محبوب ﷺ کا حکم بھی ہے۔

چنانچہ حضرت انس بن مالک ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "تم میں سے ہر ایک حاکم (نگہبان) ہے اور تم میں سے ہر ایک سے اسکی رعایا (ماتحتوں) کے بارے میں سوال کیا جائے گا پس شہر کا امیر (حکمران) لوگوں پر حاکم ہے اس سے اسکے ماتحت لوگوں کے بارے میں پوچھا جائے گا اور مرد اپنے گھر والوں پر حاکم ہے اور اس سے اسکی بیوی کے بارے میں اور اس کے بارے میں جس کا وہ مالک ہے (غلام لونڈیوں کے بارے میں) پوچھا جائے گا جن کا وہ مالک ہے"۔

(کتاب الفقیہ والمتفقہ جلد 1 صفحہ 47)

ان تمام روایات کی روشنی میں یہ بات بالکل واضح ہے کہ مسائل شرعیہ کا سیکھنا بہت ضروری ہے۔ مسائل سیکھنے کے متعدد ذرائع ہیں۔ ان میں سے ایک اہم ذریعہ

کتابوں کا مطالعہ ہے۔اس کی عادت بنالینا نہایت مناسب ہے۔لیکن مطالعے کے ساتھ ساتھ بارہا علماء اور مفتیانِ کرام سے سوال کرنے کی حاجت ضرور پیش آتی ہے کیونکہ اولاتو تمام مسائل کتابوں میں صراحت کے ساتھ لکھے نہیں ہوتے، دوسرے نمبر پر کتاب میں لکھے ہوئے مسئلے کو اپنی پیش آمدہ صورت پر منطبق کرنا آسان کام نہیں ہے تو جیسے گھر کے چھوٹے موٹے کام آدمی خود کرلیتا ہے لیکن اہم اور بڑے کاموں کیلئے اس کام کے ماہرین کی طرف ہی رجوع کرتا ہے اسی طرح عام مسائل میں تو کتابوں سے دیکھ کر گزارا ہوجاتا ہے لیکن بہت سے مسائل میں علمِ دین کے ماہرین یعنی علماء و مفتیانِ کرام کی طرف رجوع کئے بغیر گزارا نہیں ہوتا۔اس کیلئے ضروری ہے کہ آدمی کسی بااعتماد صاحبِ علم کی طرف رجوع کرے اور یہ خود قرآن پاک کا حکم ہے چنانچہ اللہ عزوجل نے ارشادفرمایا:

﴿فَاسْأَلُوْا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ﴾

ترجمہ کنزالعرفان: تو (اے لوگو!) اگر تم نہیں جانتے تو علم والوں سے پوچھو۔

(سورہ نحل پارہ 14 آیت 43)

اس لئے زمانہ صحابہ سے لے کر آج تک عوام الناس سے جداگانہ صاحبِ علم حضرات کا ایسا گروہ موجود رہا ہے جو شرعی مسائل میں لوگوں کی رہنمائی کرتا رہا ہے۔مثال کے طور پر تمام صحابہ کرام فتوی نہیں دیا کرتے تھے بلکہ ان میں مخصوص حضرات تھے جو فتوی دیتے تھے۔

صحابہ کرام میں مشہور مفتیانِ کرام:

(1) حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ (2) حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ (3) حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ (4) حضرت علی کرم اللہ وجہہ (5) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا (6) حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ (7) حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ (8) حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ (9) حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ (10) حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ اسکے علاوہ اور بھی دیگر مفتی صحابہ موجود تھے جن سے عام صحابہ اپنے مسائل میں رجوع کرتے تھے۔

اسی طرح صحابہ کے بعد تابعین کے زمانہ میں بھی نامور مفتیانِ اسلام گزرے جن میں چند کا ذکر کیا جاتا ہے۔

تابعین میں مشہور مفتیانِ کرام:

(1) حضرت سعید بن میتب (2) حضرت حسن بن بصری (3) عطاء بن ابی رباح (4) علقمہ بن قیس نخعی (5) شریح بن حارث قاضی (6) ابراہیم نخعی (7) امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ انکے علاوہ دیگر مفتی تابعین کرام۔

تبع تابعین میں مشہور مفتیانِ کرام:

تابعین نے اپنے مابعد تبع تابعین میں بہترین مفتی چھوڑے جن میں چند کے نام ذکر کیے جاتے ہیں۔

(1) امام ابو یوسف (2) امام محمد (3) امام زفر (4) امام حسن بن زیاد (5) ابن ابی لیلی [illegible] امام مالک (7) حماد بن ابو حنیفہ اور دیگر اصحاب ابو حنیفہ رضی اللہ عنہم۔

تبع تابعین کے مابعد مشہور مفتیانِ کرام:

تبع تابعین نے اپنے شاگردوں میں زبردست مفتی چھوڑے جن میں چند کے نام ذکر کیئے جاتے ہیں۔

(1) امام شافعی (2) امام احمد بن حنبل (3) امام ابوجعفر طحاوی (4) امام شمس الائمہ ابوبکر بن سہل سرخسی (5) اور امام محمد اور امام ابویوسف اور دیگر اصحاب ابی حنیفہ کے تلامذہ۔

گزشتہ ناموں سے معلوم ہوا کہ ہر دور میں اس اہم کام کیلئے کچھ مخصوص افراد ہوتے تھے جو اس اہم کام کو بخوبی انجام دیتے تھے ہر کسی کو اس منصب پر چڑھنے کی اجازت نہیں ہوتی تھی اسی طرح آج کے زمانے میں بھی فتوی دینا ہر کسی کا کام نہیں ہے بلکہ یہ ان لوگوں کا کام ہے جنہوں نے اپنی زندگی کا ایک حصہ قرآن و حدیث اور ان سے استنباط کردہ مسائل کو سمجھنے، سمجھانے میں گزارا ہو اور ظاہری و باطنی اور خارجی و اندرونی اعتبار سے کوئی ایسی چیز ان میں نہ پائی جائے کہ ان کے فتوی پر اعتماد کرنا مشکل ہے۔ یہ بات ہر کوئی سمجھتا ہے کہ جو شخص علمِ دین میں ناقص ہو یا سطحی معلومات رکھنے والا ہو یا اپنے سے پہلے گزشتہ تمام یا اکثر علماء کے اقوال کو غلط قرار دیتا ہو اور صرف خود قرآن و حدیث سمجھنے کا مدعی ہو یا کھلا فاسق و فاجر ہو یا دین میں منافقت و مداہنت کرنے والا ہو یا دین فروش ہو یا لوگوں کو ان کی پسند کے مطابق فتوی دینے والا ہو یا فتوی دینے میں جانبداری کرنے والا ہو تو ایسے شخص کے فتوے پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔

اس طرح کی تمام باتوں کو سامنے رکھ کر علماء کرام نے ایسے اصول مرتب کئے ہیں جس سے فتوی نویسی میں غلطی کے امکان کم سے کم ہوں۔ یہ اصول سینکڑوں سال کے مشاہدات اور لاکھوں علماء وفقہاء کے تجربات کے بعد تحریر کئے گئے ہیں اس لئے کسی ایک آدھ سر پھرے کے ان اصولوں کا انکار کر دینے کی وجہ سے ان کو رد نہیں کیا جا سکتا۔

اس سلسلے میں متعدد علماء کرام نے مفتیانِ کرام اور سائلین یعنی سوال پوچھنے والا حضرات کے حوالے سے اصول اور آداب بیان کئے ہیں جن میں امام نووی، علامہ ابن صلاح، فقیہ ابواللیث سمرقندی، علامہ ابن عبدالبر اور علامہ شامی رحمھم اللہ تعالٰی کی کتابیں مشہور ہیں۔ ان اصولوں کو اصطلاح میں "رسم المفتی" کہا جاتا ہے۔

اس کا بہت بڑا ذخیرہ اعلیٰ حضرت، مجددِ دین وملت امام احمد رضا خان علیہ الرحمۃ کے فتاوی میں بھی ملتا ہے۔ راقم الحروف نے مذکورہ بالا کتابوں کے ساتھ دیگر متعدد کتابوں کا مطالعہ کرنے کے بعد ان کا ایک خلاصہ تیار کیا اور چند مباحث کے علاوہ اکثر و بیشتر اہم اور عام پیش آنے اصول وآداب کو جمع کر کے یہ کتاب مرتب کی ہے۔ اس کے ساتھ ذاتی تجربات کو بھی سامنے رکھا ہے۔ اس کتاب میں یہ کوشش کی گئی ہے کہ ان اصول وآداب کو جمع کیا جائے جو عوام اور علماء دونوں کو فائدہ دیں۔

چنانچہ اس کتاب کو مقدمہ کے علاوہ تین ابواب اور ایک خاتمہ پر تقسیم کیا ہے۔

(1) پہلے باب میں فتوی کا مفہوم اور اس سے متعلق قرآنی آیات و احادیث بیان کی ہیں جن سے سوال پوچھنے کی اہمیت کا معلوم ہوتا ہے۔ مزید اس میں یہ بھی بیان کیا گیا کہ سائلین / مستفتین بے جا سوالات ہرگز نہ کریں کہ وہ عوام اور مفتی دونوں کیلئے باعثِ پریشانی ہوتے ہیں اور پھر بے جا سوالات کی مذمت میں آیاتِ قرآنیہ واحادیث نبویہ بیان کی ہیں۔

(2) دوسرے باب میں یہ بیان کیا ہے کہ عوام الناس کس سے فتوی پوچھیں اور کس طرح فتوی پوچھیں سائل / مستفتی ایک مفتی سے کس انداز میں تحریری / زبانی سوال کرے اس کے آداب کیا ہیں تا کہ سائلین / مستفتین کو سوال کرنے کا بہترین انداز آئے اور مفتی کو پریشانی نہ ہو۔

(3) تیسرے باب میں بیان کیا ہے کہ جب سائل / مستفتی ایک قابل افتاء مفتی کے پاس پہنچ جائے اور اپنا سوال آدابِ استفتاء کے مطابق پیش کر دے تو پھر مفتی اسکو کس طرح جواب دے، مفتی سوال کو کس طرح پڑھے اور کس طرح اس میں غور کرے، کن کن حالات میں جواب دے اور کن کتب سے جواب دے اور تعارض کتب کے وقت کن اصولوں کے تحت کسی مسئلہ کو ترجیح دے اور سائل کی پریشانی کو کس طرح حکمِ شرعی کے مطابق حل کرے۔

(4) خاتمہ میں وہ اصول بیان کئے ہیں جو بطورِ قاعدہ فقہ میں استعمال ہوتے ہیں۔

پہلا باب

فتوی کے معنی اور اس سے متعلق آیاتِ قرآنیہ واحادیث نبویہ

فتوی کا عام فہم معنی:

مسئلہ معلوم کرنے کیلئے سوال، استفتاء اور استفسار کے الفاظ استعمال کئے جاتے ہیں اور پوچھنے کے بعد مسئلہ بتانے کیلئے جواب اور فتوی کے لفظ استعمال کئے جاتے ہیں۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ شرعی مسئلہ دریافت کرنا ''استفتاء'' ہے اور دریافت کرنے پر جواب دینا ''فتوی'' ہے۔ سوال پوچھنے والے کو ''سائل'' اور ''مستفتی'' کہا جاتا ہے جبکہ جواب دینے والے کو ''مفتی'' اور ''مجیب'' کہا جاتا ہے۔

قرآن پاک کے فتاوی اور سوالات

شرعی مسائل کیلئے سوال کرنا اور فتوی دریافت کرنے کا تذکرہ قرآن پاک میں بھی موجود ہے چنانچہ درج ذیل آیات کو ملاحظہ فرمائیں:

آیت نمبر1 :

﴿ وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ فَلْيَسْتَجِيبُوا لِي وَلْيُؤْمِنُوا بِي لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُونَ ﴾

ترجمہ کنز العرفان: اور اے محبوب! جب تم سے میرے بندے میرے بارے میں سوال کریں تو (تم جواب دو کہ) بیشک میں نزدیک ہوں، میں دعا کرنے

والے کی دعا قبول کرتا ہوں جب وہ مجھ سے دعا کرے تو انہیں چاہئے کہ میرا حکم مانیں اور مجھ پر ایمان لائیں تاکہ ہدایت پائیں۔

(سورہ بقرہ پارہ 2 آیت 186)

آیت نمبر2 :

﴿یَسْأَلُونَکَ عَنِ الأَهِلَّةِ قُلْ هِیَ مَوَاقِیتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ وَلَیْسَ الْبِرُّ بِأَنْ تَأْتُوْاْ الْبُیُوتَ مِن ظُهُورِهَا وَلَـکِنَّ الْبِرَّ مَنِ اتَّقَی وَأْتُواْ الْبُیُوتَ مِنْ أَبْوَابِهَا وَاتَّقُواْ اللّهَ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُونَ﴾

ترجمہ کنزالعرفان: (اے حبیب!) تم سے نئے چاند کے بارے میں سوال کرتے ہیں۔تم فرمادو، یہ لوگوں اور حج کے لئے وقت کی علامتیں ہیں اور یہ کوئی نیکی نہیں کہ تم گھروں میں پچھلی دیوار توڑ کر آؤ بلکہ اصل نیک تو پرہیز گار ہوتا ہے اور گھروں میں ان کے دروازوں سے آؤ اور اللہ سے ڈرتے رہو اس امید پر کہ تم فلاح پاؤ۔

(سورہ بقرہ پارہ ۲ آیت 189)

آیت نمبر3 :

﴿یَسْأَلُونَکَ مَاذَا یُنفِقُونَ قُلْ مَا أَنفَقْتُم مِّنْ خَیْرٍ فَلِلْوَالِدَیْنِ وَالأَقْرَبِینَ وَالْیَتَامَی وَالْمَسَاکِینِ وَابْنِ السَّبِیلِ وَمَا تَفْعَلُواْ مِنْ خَیْرٍ فَإِنَّ اللّهَ بِهِ عَلِیمٌ﴾

ترجمہ کنزالعرفان: آپ سے سوال کرتے ہیں (کہ اللہ کی راہ میں) کیا خرچ کریں؟ تم فرماؤ: جو کچھ مال نیکی میں خرچ کروتو وہ ماں باپ اور قریب کے رشتہ

داروں اور یتیموں اور محتاجوں اور مسافر کے لئے ہے اور تم جو بھلائی کرو بیشک اللہ
اسے جانتا ہے۔
(سورہ بقرہ پارہ 2 آیت 215)

آیت نمبر 4 :

﴿ يَسْأَلُونَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيهِ قُلْ قِتَالٌ فِيهِ كَبِيرٌ وَصَدٌّ عَن سَبِيلِ اللّٰهِ وَكُفْرٌ بِهِ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَإِخْرَاجُ أَهْلِهِ مِنْهُ أَكْبَرُ عِندَ اللّٰهِ وَالْفِتْنَةُ أَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ ﴾

ترجمہ کنز العرفان: آپ سے ماہِ حرام میں جہاد کرنے کے بارے میں سوال کرتے ہیں، تم فرماؤ: اس مہینے میں لڑنا بڑا گناہ ہے اور اللہ کی راہ سے روکنا اور اس پر ایمان نہ لانا اور مسجد حرام سے روکنا اور اس کے رہنے والوں کو وہاں سے نکال دینا اللہ کے نزدیک اس سے بھی زیادہ بڑا گناہ ہے اور فتنہ قتل سے بڑا جرم ہے۔
(سورہ بقرہ پارہ 2 آیت 217)

آیت نمبر 5 :

﴿ يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ قُلْ فِيهِمَا إِثْمٌ كَبِيرٌ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَإِثْمُهُمَآ أَكْبَرُ مِن نَّفْعِهِمَا وَيَسْأَلُونَكَ مَاذَا يُنفِقُونَ قُلِ الْعَفْوَ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الآيَاتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُونَ ﴾

ترجمہ کنز العرفان: آپ سے شراب اور جوئے کے متعلق سوال کرتے ہیں۔ تم فرمادو: ان دونوں میں کبیرہ گناہ ہے اور لوگوں کیلئے کچھ دنیوی منافع بھی ہیں

اور ان کا گناہ ان کے نفع سے زیادہ بڑا ہے۔ آپ سے سوال کرتے ہیں کہ (اللہ کی راہ میں) کیا خرچ کریں؟ تم فرماؤ: جو زائد بچے۔ اسی طرح اللہ تم سے آیتیں بیان فرماتا ہے تاکہ تم غور و فکر کرو۔

(سورہ بقرہ پارہ 2 آیت 219)

آیت نمبر 6 :

﴿يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْيَتَامَى قُلْ إِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَيْرٌ وَإِنْ تُخَالِطُوهُمْ فَإِخْوَانُكُمْ وَاللَّهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَأَعْنَتَكُمْ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ﴾

ترجمہ کنزالعرفان: تم سے یتیموں کا مسئلہ پوچھتے ہیں۔ تم فرماؤ: ان کا بھلا کرنا بہتر ہے اور اگر ان کے ساتھ اپنا خرچہ ملالو تو وہ تمہارے بھائی ہیں اور اللہ بگاڑنے والے کو سنوارنے والے سے جدا خوب جانتا ہے اور اگر اللہ چاہتا تو تمہیں مشقت میں ڈال دیتا۔ بیشک اللہ زبردست حکمت والا ہے۔

(سورہ بقرہ پارہ 2 آیت 220)

آیت نمبر 7 :

﴿وَيَسْتَفْتُونَكَ فِي النِّسَاءِ قُلِ اللَّهُ يُفْتِيكُمْ فِيهِنَّ وَمَا يُتْلَى عَلَيْكُمْ فِي الْكِتَابِ فِي يَتَامَى النِّسَاءِ اللَّاتِي لَا تُؤْتُونَهُنَّ مَا كُتِبَ لَهُنَّ وَتَرْغَبُونَ أَنْ تَنْكِحُوهُنَّ وَالْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الْوِلْدَانِ وَأَنْ تَقُومُوا لِلْيَتَامَى بِالْقِسْطِ وَمَا تَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ بِهِ عَلِيمًا﴾

ترجمہ کنزالعرفان: اور آپ سے عورتوں کے بارے میں فتویٰ مانگتے ہیں:

تم فرماؤ کہ اللہ اور جو کتاب تمہارے سامنے تلاوت کی جاتی ہے وہ تمہیں ان (یعنی عورتوں) کے بارے میں فتویٰ دیتا ہے (کہ ان کے حقوق ادا کرو) اور (وہ تمہیں فتویٰ دیتا ہے) ان یتیم لڑکیوں کے متعلق جنہیں تم ان کا مقرر کیا ہوا (میراث کا) حصہ نہیں دیتے اور ان سے نکاح کرنے سے بے رغبتی کرتے ہو (حکم یہ دیتا ہے کہ تم یہ کام نہ کرو۔) اور کمزور بچوں کے بارے میں (فتویٰ دیتا ہے کہ ان کے حقوق ادا کرو) اور یتیموں کے حق میں انصاف پر قائم رہو اور تم جو نیکی کرتے ہو تو اللہ اسے جانتا ہے۔

(سورہ النساء 127)

آیت نمبر 8 :

﴿يَسْتَفْتُونَكَ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيكُمْ فِي الْكَلَالَةِ إِنِ امْرُؤٌ هَلَكَ لَيْسَ لَهُ وَلَدٌ وَلَهُ أُخْتٌ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ وَهُوَ يَرِثُهَآ إِن لَّمْ يَكُن لَّهَا وَلَدٌ فَإِن كَانَتَا اثْنَتَيْنِ فَلَهُمَا الثُّلُثَانِ مِمَّا تَرَكَ وَإِن كَانُوٓا إِخْوَةً رِّجَالًا وَنِسَاءً فَلِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثَيَيْنِ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ أَن تَضِلُّوا وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ﴾

ترجمہ کنز العرفان: اے حبیب! تم سے فتویٰ پوچھتے ہیں۔ تم فرمادو کہ اللہ تمہیں کلالہ کے بارے میں فتویٰ دیتا ہے۔ اگر کسی مرد کا انتقال ہو جس کی اولاد نہ ہو اور اس کی ایک بہن ہو تو ترکہ میں اس کی بہن کا آدھا ہے اور مرد اپنی بہن کا وارث ہوگا اگر بہن کی اولاد نہ ہو پھر اگر دو بہنیں ہوں ترکہ میں ان کا دو تہائی (حصہ ہوگا) اور

اگر بھائی بہن ہوں جو مرد بھی (ہوں) اور عورتیں بھی تو مرد کا حصہ دو عورتوں کے برابر ہوگا۔ اللہ تمہارے لئے صاف بیان فرماتا ہے تاکہ تم بھٹک نہ جاؤ اور اللہ ہر چیز جانتا ہے۔

(سورہ النساء 176)

نامناسب سوال اور قرآن کا بیان

مذکورہ بالا آیات سے جیسے یہ معلوم ہوا کہ سوال کرنا اور ان کے جواب دینے کا ذکر قرآن پاک میں ہے اسی طرح متعدد آیات ایسی بھی ہیں جن میں نامناسب سوالات کے بارے میں منع کیا گیا ہے اور اس پر تنبیہ بھی کی گئی ہے۔

چنانچہ قرآن پاک میں ہے:

مثال نمبر1 :

قوم موسیٰ نے ایک گائے کے متعلق نامناسب سوالات کئے تو اللہ تعالیٰ نے سختی فرمائی، تفصیلی واقعے کیلئے تفاسیر کا مطالعہ فرمائیں، قرآن پاک میں اس سوال و جواب کو یوں بیان کیا گیا ہے:

﴿ وَإِذْ قَالَ مُوسَى لِقَوْمِهِ إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تَذْبَحُوا بَقَرَةً قَالُوا أَتَتَّخِذُنَا هُزُوًا قَالَ أَعُوذُ بِاللَّهِ أَنْ أَكُونَ مِنَ الْجَاهِلِينَ ﴾

ترجمہ کنز العرفان: اور یاد کرو جب موسیٰ نے اپنی قوم سے فرمایا: بیشک اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ ایک گائے ذبح کرو تو انہوں نے کہا کہ کیا آپ ہمارے ساتھ مذاق کرتے ہیں؟ (اس پر حضرت موسیٰ نے) جواب دیا، "میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں

کہ میں (مذاق کرکے) جاہلوں میں سے ہو جاؤں۔

(سورۃ البقرۃ، آیۃ: 67)

﴿قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّن لَّنَا مَا هِيَ قَالَ إِنَّهُ يَقُولُ إِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا فَارِضٌ وَلَا بِكْرٌ عَوَانٌ بَيْنَ ذَٰلِكَ فَافْعَلُوا مَا تُؤْمَرُونَ﴾

ترجمہ کنز العرفان: انہوں نے (دوبارہ کہا، اے موسیٰ!) آپ اپنے رب سے دعا کیجئے کہ وہ ہمیں بتادے کہ وہ گائے کیسی ہے؟ (حضرت موسیٰ نے) فرمایا: اللہ فرماتا ہے کہ وہ ایک ایسی گائے ہے جو نہ تو بوڑھی ہے اور نہ بالکل کم عمر بلکہ ان دونوں کے درمیان درمیان ہو۔ تو (اب جا کر) کرو جس کا تمہیں حکم دیا جارہا ہے۔

(سورۃ البقرۃ، آیت: 68)

﴿قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّن لَّنَا مَا لَوْنُهَا قَالَ إِنَّهُ يَقُولُ إِنَّهَا بَقَرَةٌ صَفْرَاءُ فَاقِعٌ لَّوْنُهَا تَسُرُّ النَّاظِرِينَ﴾

ترجمہ کنز العرفان: انہوں نے (پھر) کہا: (اے موسیٰ!) آپ اپنے رب سے دعا کیجئے کہ وہ ہمیں بتادے، اس گائے کا رنگ کیا ہے؟ (حضرت موسیٰ علیہ السلام نے) فرمایا: اللہ فرماتا ہے کہ وہ پیلے رنگ کی گائے ہے جس کا رنگ بہت گہرا ہے۔ وہ گائے دیکھنے والوں کو خوشی دیتی ہے۔

(سورۃ البقرۃ، 69)

﴿قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّن لَّنَا مَا هِيَ إِنَّ الْبَقَرَ تَشَابَهَ عَلَيْنَا وَإِنَّا إِن شَاءَ اللَّهُ لَمُهْتَدُونَ﴾

ترجمہ کنز العرفان: انہوں نے (پھر) کہا: (اے موسیٰ!) آپ اپنے رب سے دعا کیجئے کہ ہمارے لئے واضح طور پر بیان کردے کہ وہ گائے کیسی ہے؟ کیونکہ بیشک گائے (کا معاملہ) ہمارے اوپر مشتبہ ہوگیا ہے اور اگر اللہ چاہے گا تو یقیناً ہم (اس گائے کی طرف) راہ پالیں گے۔

(سورۃ البقرۃ،70)

﴿قَالَ إِنَّهُ يَقُولُ إِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا ذَلُولٌ تُثِيرُ الْأَرْضَ وَلَا تَسْقِي الْحَرْثَ مُسَلَّمَةٌ لَّا شِيَةَ فِيهَا قَالُوا الْآنَ جِئْتَ بِالْحَقِّ فَذَبَحُوهَا وَمَا كَادُوا يَفْعَلُونَ﴾

ترجمہ کنز العرفان: (حضرت موسیٰ علیہ السلام نے) فرمایا: اللہ فرماتا ہے کہ وہ ایک ایسی گائے ہے جس سے (یہ) خدمت نہیں لی جاتی کہ وہ زمین میں ہل چلائے اور نہ وہ کھیتی کو پانی دیتی ہے۔ بالکل بے عیب ہے، اس میں کوئی داغ نہیں۔ (یہ سن کر بنی اسرائیل نے) کہا: (اے موسیٰ!) اب آپ بالکل صحیح بات لائے ہیں۔ (چنانچہ) پھر انہوں نے اس (گائے) کو ذبح کیا حالانکہ وہ (ذبح) کرتے معلوم نہ ہوتے تھے۔

(سورۃ البقرۃ،71)

مثال نمبر2:

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں نے آپ علیہ السلام سے ایک نامناسب سوال کیا چنانچہ قرآن پاک میں اس کا بیان اور اس کے آخر میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے

وعید اس طرح بیان کی گئی ہے۔

﴿ إِذْ قَالَ الْحَوَارِيُّونَ يَا عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ هَلْ يَسْتَطِيعُ رَبُّكَ أَنْ يُنَزِّلَ عَلَيْنَا مَائِدَةً مِنَ السَّمَاءِ قَالَ اتَّقُوا اللَّهَ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ﴾

ترجمہ کنز العرفان: یاد کرو جب حواریوں نے کہا: اے عیسیٰ بن مریم! کیا آپ کا رب ایسا کرے گا کہ ہم پر آسمان سے (نعمتوں سے بھرپور) ایک دستر خوان اُتارے تو (حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جواب میں) فرمایا: اگر ایمان رکھتے ہو تو اللہ سے ڈرو (اور ایسے مطالبے نہ کرو۔)

(سورۃ المائدۃ:112)

﴿ قَالُوا نُرِيدُ أَنْ نَأْكُلَ مِنْهَا وَتَطْمَئِنَّ قُلُوبُنَا وَنَعْلَمَ أَنْ قَدْ صَدَقْتَنَا وَنَكُونَ عَلَيْهَا مِنَ الشَّاهِدِينَ ﴾

ترجمہ کنز العرفان: (حواریوں نے دوبارہ) کہا: ہم (صرف) یہ چاہتے ہیں کہ اس میں سے کھائیں اور ہمارے دل مطمئن ہو جائیں اور ہم (آنکھوں سے دیکھ کر) جان لیں کہ آپ نے ہم سے سچ فرمایا ہے اور ہم اس (دستر خوان کے اترنے) پر گواہ ہو جائیں۔

(سورۃ المائدۃ:113)

﴿ قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ اللَّهُمَّ رَبَّنَا أَنْزِلْ عَلَيْنَا مَائِدَةً مِنَ السَّمَاءِ تَكُونُ لَنَا عِيدًا لِأَوَّلِنَا وَآخِرِنَا وَآيَةً مِنْكَ وَارْزُقْنَا وَأَنْتَ خَيْرُ الرَّازِقِينَ ﴾

ترجمہ کنزالعرفان: (حواریوں کی اس درخواست پر حضرت) عیسیٰ بن مریم نے عرض کی: اے اللہ! اے ہمارے رب! ہم پر آسمان سے ایک دسترخوان اُتار دے جو ہمارے لئے (یعنی) ہمارے موجودہ لوگوں کے لئے اور ہمارے بعد میں آنے والوں کے لئے عید اور تیری طرف سے ایک نشانی ہو جائے اور ہمیں رزق عطا فرما اور تو سب سے بہتر رزق دینے والا ہے۔

(سورۃ المائدۃ:114)

﴿ قَالَ اللّٰهُ إِنِّي مُنَزِّلُهَا عَلَيْكُمْ فَمَن يَكْفُرْ بَعْدُ مِنكُمْ فَإِنِّي أُعَذِّبُهُ عَذَابًا لَّا أُعَذِّبُهُ أَحَدًا مِّنَ الْعَالَمِينَ ﴾

ترجمہ کنزالعرفان: اللہ نے فرمایا: بیشک میں وہ (دسترخوان) تم پر اُتاروں گا پھر اس کے بعد جو تم میں سے کفر کرے گا تو بیشک میں اسے وہ عذاب دوں گا کہ سارے جہان میں کسی کو نہ دوں گا۔

(سورۃ المائدۃ:115)

مثال نمبر3 :

﴿ يَسْأَلُونَكَ عَنِ السَّاعَةِ أَيَّانَ مُرْسَاهَا قُلْ إِنَّمَا عِلْمُهَا عِندَ رَبِّي لَا يُجَلِّيهَا لِوَقْتِهَا إِلَّا هُوَ ثَقُلَتْ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ لَا تَأْتِيكُمْ إِلَّا بَغْتَةً ﴾

ترجمہ کنزالعرفان: آپ سے قیامت کے متعلق سوال کرتے ہیں کہ اس کے قائم ہونے کا وقت کب ہے؟ تم فرماؤ: اس کا علم تو میرے رب کے پاس ہے، اسے وہی اس کے وقت پر ظاہر کرے گا، وہ (قیامت اپنی ہولناکی کی وجہ سے)

آسمانوں اور زمین میں بھاری پڑ رہی ہے، تم پر وہ اچانک ہی آجائے گی۔

(سورہ اعراف پارہ۹ آیت 187)

جس طرح قرآن پاک میں فتوی طلب کرنا اور فتوی دینا مذکور ہے اسی طرح احادیث مبارکہ میں بکثرت مذکور ہے۔ احادیث کا مطالعہ کرنے والا ان باتوں کو بخوبی جانتا ہے۔ اب ہم اپنے موضوع سے متعلق کلام کرتے ہیں۔

دوسرا باب

آدابِ سائلین کے بارے میں

علماء کی بارگاہ میں آنے کا طریقہ

علماء کا منصب لوگوں کو دینی مسائل سے روشناس کرانا ہے اور عوام کا کام ان سے فیض حاصل کرنے کے لئے ان کی خدمت میں حاضر ہونا ہے۔ لیکن اس میں اس بات کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ علماء کے منصب کے مطابق ان کی عزت اور راحت و آرام کا خیال ضرور رکھا جائے۔

علماء کے اس طرح کے آداب کے بارے میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا ایک فرمان نہایت جامع ہے، چنانچہ آپ فرماتے ہیں: ''عالم کے حق سے یہ بات ہے کہ اس سے بہت زیادہ سوال نہ کیے جائیں اور اس سے جواب لینے میں سختی نہ کرے اور جب اسے سستی لاحق ہو تو جواب لینے کے لئے اس کے پیچھے نہ پڑ جائے اور جب وہ اٹھے تو اس کے کپڑوں کو نہ پکڑے اور اس کے راز کو فاش نہ کیا جائے اور نہ ہی اسکے پاس کسی کی غیبت کرو اور اسکے سامنے بیٹھو اور جب تم اس کے پاس آؤ تو اس کو خاص طور پر سلام کرو اور دوسرے لوگوں سے عام طور پر سلام کرو اور یہ بھی کہ اسکے رازوں کی حفاظت کرو جب تک وہ اللہ کے حکم کی حفاظت کرتا ہے بے شک عالم بمنزلہ کھجور کے درخت کے ہے جس کا تم انتظار کرتے ہو کہ کس وقت

تمہارے اوپر اس سے کوئی چیز گرے اور عالم روزہ رکھنے والے اور نوافل پڑھنے والے اور اللہ تعالی کی راہ میں جہاد کرنے والے غازی سے افضل ہے اور جب عالم وفات پاتا ہے تو اسکو 77 ہزار مقربین فرشتے رخصت کرنے کے لیئے اس کے ساتھ جاتے ہیں اور عالم کی موت اسلام میں ایسا رخنہ ہے جسے قیامت تک بند نہیں کیا جا سکتا۔"

(کتاب الفقیہ والمتفقہ جلد 2 صفحہ 99)

کس وقت مفتی سے سوال نہ کیا جائے؟

جس وقت مفتی کے اخلاق میں تغیر ہو یا اس کا دل کسی دوسرے کام میں مشغول ہو یا کوئی بھی ایسی صورت حال ہو جس میں غور و فکر کرنا مشکل ہوتا ہے اس وقت اس سے سوال نہ پوچھا جائے جیسے شدید غصے، یا بھوک یا پیاس، غم کے وقت یا بے پناہ خوشی یا اونگھ یا اکتاہٹ، شدید گرمی یا تکلیف دہ مرض میں ابتلاء کے وقت سوال نہ پوچھا جائے۔

سائلین کو چند مفید مشورے

مسئلہ معلوم کرنے والوں کو چند باتوں کا خیال رکھنا چاہیئے:

(1) کوشش کرے کہ ایک ہی مفتی سے مسائل معلوم کرے۔

(2) اس مفتی سے مسائل پوچھے جس سے اس کا رابطہ آسانی سے ہو سکے۔

(3) مفتیانِ کرام میں جس کے بارے میں مشہور ہے کہ یہ علم اور تقوی میں دوسروں سے فائق ہے اس سے مسائل معلوم کرے۔

(4) ایک ہی مسئلہ متعدد مفتیانِ کرام سے نہ پوچھے کہ اس صورت میں عام طور پر یہ ہوتا ہے کہ جس کا فتوی نفس کے مطابق ہوتا ہے اس پر عمل کیا جاتا ہے۔

(5) بلاضرورت مسائل نہ پوچھے۔ اولا خود ہی مستند اور آسان کتابوں کا مطالعہ کرے جیسے فتاوی فیض الرسول اور بہارِ شریعت۔ جن مسائل میں حاجت ہو صرف انہی کے بارے میں دریافت کرے۔

(6) مسئلہ معلوم کرنے میں مفتی کی تعظیم ملحوظِ خاطر رکھے۔ اس سے گفتگو کرنے میں، اس سے مسئلہ معلوم کرنے میں مودبانہ انداز اختیار کرے۔ پاؤں پھیلا کر نہ پوچھے، ''تم'' سے خطاب نہ کرے، کوئی ناپسندیدہ یا ناجائز کام کے متعلق پوچھے تو یہ نہ کہے کہ ''جیسے آپ کسی کے ساتھ یوں کاروبار کریں تو کیا حکم ہے۔'' بلکہ زید و بکر کی مثالوں کے ساتھ پوچھے۔

من پسند فتوے پر عمل کرنا

بعض لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ مختلف مفتیانِ کرام سے مسائل پوچھتے پھرتے ہیں تاکہ کہیں سے ان کی غرض کے موافق فتوی مل جائے اور اس پر عمل کرلیں۔ یہ حقیقت میں شریعت پر نہیں بلکہ اپنے نفس کے حکم پر عمل کرنا ہے اور یہ بالاجماع ناجائز ہے۔

جو شخص کسی حکم شرعی پر عمل کرنا چاہتا ہے اس کیلئے لازم ہے کہ اس قول پر عمل کرے جسے اکابر علماء نے راجح قرار دیا ہو یونہی کسی دوسرے کو فتوی دینا چاہتا ہے اس کیلئے لازم ہے کہ اس قول پر فتوی دے جسے اکابر علماء نے راجح قرار دیا ہو لہٰذا کسی

ضعیف اور مرجوح قول پر عمل کرنا یا فتوی دینا ہرگز ہرگز جائز نہیں۔ البتہ چند ایک صورتیں ایسی ہیں جن میں ضعیف اور مرجوح قول پر بھی عمل کرلیا جاتا اسے ہم آئندہ تفصیل سے بیان کریں گے۔ اس حکم پر فقہ حنفی، فقہ شافعی، فقہ مالکی اور فقہ حنبلی کے بڑے بڑے علماء کا اتفاق ہے۔ لہٰذا اس مسئلے کے برخلاف عمل کرنا ناجائز وحرام ہے کیونکہ دلائل کی روشنی میں جب ایک قول کو علماء نے مضبوط اور راجح قرار دیدیا ہو تو اس کے برخلاف قول پر عمل کرنا حقیقتاً اپنی خواہش نفسانی پر عمل کرنا ہے اور شرعی احکام میں شریعت کے حکم کے مقابلے میں اپنی خواہش پر عمل کرنا ناجائز وحرام ہے۔ راجح قول کے مقابلے میں مرجوح قول ایسے ہے جیسے وہ ہے ہی نہیں۔

اس مقام پر ہم نے جو یہ بات بیان کی کہ جس قول کو علماء نے ترجیح دی ہو اس پر عمل کیا جائے گا یہاں کون سے علماء مراد ہیں اس کی پہچان نہایت ضروری ہے کیونکہ یہاں یہ ہرگز مراد نہیں ہوسکتا کہ کسی قول کو کوئی بھی عالم درست کہہ دے تو اس پر عمل کرلیا جائے کیونکہ یہ اللہ کے دین اور اس کی شریعت کا معاملہ ہے لہٰذا اس میں انہی لوگوں کی بات پر اعتماد کیا جائے گا جنہیں قرآن و حدیث کے علوم پر مہارت ہو اور شریعت اسلامیہ کی حکمتوں اور مصلحتوں پر ان کی گہری نظر ہو۔

مفتی خطا سے معصوم نہیں لہذا بتقاضائے بشریت مفتی سے بھی غلطی ہوسکتی ہے ایسی صورت میں عوام کو چند چیزوں کا خیال رکھنا ضروری ہے۔

مفتی کی غلطی پھیلانا

عالم کی غلطی میں پہلی بات یہ یاد رکھیں کہ اگر اس نے اپنی طرف سے مسئلہ

بیان کرنے میں جان بوجھ کر غلطی نہیں کی تو وہ گناہ گار نہیں بلکہ حدیث کے مطابق اس کو اس پر بھی ثواب ملے گا، اور دوسری بات یہ یادرکھیں کہ دوسروں کے لئے اس غلطی کو اچھالنا اور پھیلانا ناجائز وحرام ہے۔ بعض لوگوں کو دیکھا گیا ہے کہ اگر کسی عالم کی خطا مل جائے تو اس عالم کے باعمل ہونے کے باوجود اس کی خطا کو اچھالتے ہیں اور پردہ پوشی کا سوچتے تک نہیں۔

اس طرح کے طرزِ عمل کے بارے میں امام اہلسنت، مجدد دین وملت مولانا شاہ احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ کا فتوی ملاحظہ فرمائیں۔

آپ فرماتے ہیں: اور اہلسنت سے بتقدیرِ الٰہی جو ایسی لغزش فاحش واقع ہو اس کا اخفاء واجب ہے کہ معاذ اللہ لوگ ان سے بداعتقاد ہوں گے تو جو نفع ان کی تقریر اور تحریر سے اسلام وسنت کو پہنچتا تھا اس میں خلل واقع ہوگا، اس کی اشاعت، اشاعتِ فاحشہ ہے اور اشاعتِ فاحشہ بنص قرآنِ عظیم حرام۔

قال اللّٰہ تعالی: ﴿ان الذین یحبون أن تشیع الفاحشة فی الذین امنوا لهم عذاب ألیم فی الدنیا و الأخرة﴾

ترجمہ کنز العرفان: جو لوگ یہ پسند کرتے ہیں کہ مومنوں میں فاحشہ کی اشاعت ہو انکے لئے دنیا وآخرت میں دردناک عذاب ہے۔

خصوصاً جبکہ وہ بندگانِ خدا جوحق کی طرف بے کسی عذر وتامل کے رجوع فرما چکے۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من عير أخاه بذنب لم يمت حتى يعمله

ترجمہ: ''جس نے اپنے بھائی کو کسی گناہ کی وجہ سے عار دلایا وہ مرنے سے قبل اسی گناہ میں ضرور مبتلا ہوگا۔''

(فتاوی رضویہ جلد 29صفحہ 594)

تیسرا باب

اس میں مفتی کیلئے آداب ورسوم افتاء بیان کئے جائیں گے

اس بات کو تفصیل سے سمجھنے کیلئے ضروری ہے کہ یہ جانا جائے کہ علماء وفقہاء کی کتنی اقسام ہیں اور کس درجے کے فقیہ اور عالم کا کیا مقام ہوتا ہے تاکہ جب ان میں سے کسی کا قول سامنے آئے تو اس کے درجے کو پیشِ نظر رکھ کر فیصلہ کیا جاسکے کہ اس پر کس حد تک عمل کیا جاسکتا ہے۔

علوم دینیہ میں اچھی مہارت حاصل کئے بغیر فتوی دینا نہایت خطرناک کام ہے کیونکہ ایک چیز کو اللہ تعالیٰ نے حلال کیا ہو اور کوئی شخص اپنی کم علمی کی وجہ سے اپنے اندازے سے ہی اسے حرام کہہ دے یا کسی چیز کو اللہ تعالیٰ نے حرام کیا ہو اور کوئی شخص بغیر علم کے اسے حلال کہہ دے تو یہ بہت بڑی جسارت ہے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے سورہ نحل میں ارشاد فرمایا:

﴿ وَلَا تَقُولُوا لِمَا تَصِفُ أَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هَٰذَا حَلَالٌ وَهَٰذَا حَرَامٌ لِّتَفْتَرُوا عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ إِنَّ الَّذِينَ يَفْتَرُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُونَ ﴾

ترجمہ کنز العرفان: اور کیونکہ تمہاری زبانیں جھوٹ بولتی ہیں اس لئے (مختلف چیزوں کو اپنی مرضی سے) نہ کہو کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے (یہ نہ

کہو) تا کہ (اس طرح) تم اللہ پر جھوٹ باندھو۔ بیشک جو اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں وہ کامیاب نہ ہوں گے۔

(پارہ 14 سورہ نحل 116)

ایک اور مقام پر حرام کو حلال اور حلال کو حرام کہنے کو کافروں کا فعل قرار دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿إِنَّمَا النَّسِيءُ زِيَادَةٌ فِي الْكُفْرِ يُضَلُّ بِهِ الَّذِينَ كَفَرُوا يُحِلُّونَهُ عَامًا وَيُحَرِّمُونَهُ عَامًا لِّيُوَاطِئُوا عِدَّةَ مَا حَرَّمَ اللَّهُ فَيُحِلُّوا مَا حَرَّمَ اللَّهُ زُيِّنَ لَهُمْ سُوءُ أَعْمَالِهِمْ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ﴾

ترجمہ کنز العرفان: (اِن مشرکوں کا) مہینوں کو آگے پیچھے کرنا کفر میں ترقی کرنا ہے، اِس کے ذریعے اُن کافروں کو گمراہ کیا جاتا ہے جو ایک سال کسی حرمت والے مہینے کو حلال قرار دیدیتے ہیں اور ایک سال اسے حرام قرار دیتے ہیں تاکہ اللہ کے حرام کئے ہوئے مہینوں کی گنتی کے مطابق ہو جائیں اور اللہ کے حرام کئے ہوئے کو حلال کرلیں۔ ان کے برے کام ان کے لئے خوشنما بنادیئے گئے اور اللہ کافروں کو ہدایت نہیں دیتا۔

(سورہ توبہ 37)

ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کے اس فعل کو نہایت بدترین قرار دیا ہے بلکہ حلال کو حرام کہنے اور حرام کو حلال کہنے کے فعل کو رب بننے اور ایسے علماء کی باتیں ماننے کو رب ماننے کے برابر قرار دیا ہے۔ چنانچہ فرمایا:

﴿اتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَالْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوْٓا اِلٰهًا وَّاحِدًا لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ سُبْحٰنَهٗ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ﴾

ترجمہ کنز العرفان: انہوں نے اپنے پادریوں اور درویشوں کو اللہ کے سوا رب بنالیا اور مسیح بن مریم (کو بھی رب بنالیا) حالانکہ انہیں صرف یہ حکم دیا گیا تھا کہ وہ ایک معبود کی عبادت کریں، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ ان کے شرک سے پاک ہے۔

(سورہ توبہ آیت نمبر 31)

اس آیتِ مبارکہ کی شرح میں ہے کہ حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ ﷺ سورۃ براءت کی (مذکورہ بالا) آیت پڑھ رہے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ لوگ ان کی عبادت نہیں کرتے تھے لیکن جن چیزوں کو وہ حلال کہتے تھے انہیں حلال سمجھتے تھے اور جن چیزوں کو وہ حرام کہتے تھے انہیں حرام مان لیتے تھے۔

(در منثور ج3 ص230)

اسی بات کو سمجھاتے ہوئے عظیم حنفی فقیہ علامہ خیر الدین رملی رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں: مختلف فیہ مسائل میں راجح مرجوح کو پہچاننا اور قوی وضعیف کو جاننا علم فقہ کی تحصیل میں بہت زیادہ کوشش کرنے والوں کی آخری آرزو ہے۔ مفتی اور قاضی کے لئے فرض ہے کہ تحقیق کے بعد جواب دیں اٹکل پچو نہ ہانک دیں۔ حلال کو حرام یا

حرام کو حلال کر کے اللہ تعالیٰ پر افترا کرنے سے ڈریں اور اتباع ہویٰ خواہشات کی پیروی اور مال کی طرف میلان حرام ہے۔ یہ تو بڑی آفت اور مصیبت کبریٰ ہے۔ غرض فتوی دینا نہایت اہم کام ہے اس معاملہ میں بے باک تو بد بخت اور جاہل ہی ہو سکتا ہے۔

علامہ ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ فتاوی کبری میں تحریر فرماتے ہیں کہ: زوائد الروضہ میں ہے کہ مفتی کے لئے اور عمل کرنے والے کے لئے جائز نہیں ہے کہ غور وفکر کئے بغیر دو قولوں میں سے کسی بھی قول پر یا دو وجہوں میں سے کسی بھی وجہ پر فتوی دے دے یا عمل کرے۔

امام محقق علامہ قاسم بن قطلو بغا اپنی کتاب تصحیح القدوری کے شروع میں تحریر فرماتے ہیں کہ "میں نے اپنے ائمہ ثلاثہ میں ایسے لوگ اپنی آنکھوں سے دیکھے ہیں جو خوہشات پر عمل پیرا تھے یہاں تک کہ میں نے بعض قاضیوں کے منہ سے یہ بات سنی ہے کہ اس میں یعنی کسی بھی قول کو لے لینے میں کیا حرج ہے؟ میں نے جواب دیا کہ ہاں! خواہش کی پیروی حرام ہے اور راجح کے مقابلے میں مرجوح کالعدم ہے اور کسی مرجح کے بغیر متعارض اقوال میں ترجیح ناجائز ہے۔

امام ابن صلاح "آدابِ مفتی" میں تحریر فرماتے ہیں کہ: یہ بات جان لیجئے کہ جو شخص ترجیح میں غور نہیں کرتا اور محض اتنی بات پر اکتفا کرتا ہے کہ اس کا فتوی یا عمل کسی بھی قول یا کسی بھی وجہ کے مطابق ہو جائے اور وہ مختلف اقوال و وجوہ میں سے جس پر چاہتا ہے عمل کرتا ہے تو وہ نادان ہے اور خرقِ اجماع کرتا ہے۔

(شرح عقود رسم المفتی)

طبقات فقہاء

علامہ شمس الدین احمد بن سلیمان جن کی شہرت ابن کمال پاشا کے نام سے ہے، اپنے ایک رسالہ میں لکھا ہے کہ: مقلد مفتی کے لئے اس شخص کا حال جاننا ضروری ہے جس کے قول پر وہ فتوی دے رہا ہے۔ اور حال جاننے کا مطلب محض نام ونسب اور وطنی نسبت جاننا نہیں ہے کہ محض اتنی بات بالکل بے فائدہ ہے بلکہ یہ جاننا ضروری ہے کہ مسائل روایت کرنے میں اس کا کیا مقام ہے اور مسائل کے دلائل سمجھنے میں اس کا کیا مرتبہ ہے اور طبقات فقہاء میں وہ کس طبقہ کا ہے۔ یہ باتیں جاننے سے مفتی کو کامل بصیرت حاصل ہوگی اور وہ مختلف رائیں رکھنے والے فقہاء کے درمیان امتیاز کر سکے گا اور متعارض اقوال میں سے کسی ایک قول کو ترجیح دینے پر اسے کافی قدرت حاصل ہو گی۔ اس لئے ذیل میں ہم فقہاء کے طبقات بیان کرتے ہیں۔

فقہاء کے سات طبقات (درجات) ہیں

پہلا طبقہ:

مجتہدین مطلق کا ہے جنہوں نے شریعت میں اجتہاد کیا ہے' مثلاً ائمہ اربعہ اور وہ مجتہدین جو ان کی روش پر چلے ہیں جنہوں نے اصول فقہ کے قواعد کی بنیاد رکھی اور اصول وفروع میں کسی کی تقلید کے بغیر ادلہ اربعہ...... (1) قرآن (2) حدیث (3) اجماع اور (4) قیاس سے فروعی احکام مستنبط کئے ہیں۔

دوسرا طبقہ:

مجتہدین فی المذہب کا ہے جیسے امام ابو یوسف، امام محمد اور امام اعظم کے

دوسرے جو اپنے استاذ کے مقرر کردہ اصول وضوابط کی روشنی میں ادلہ اربعہ سے احکام مستنبط کرنے پر پوری طرح قادر ہیں۔ ان حضرات نے اگرچہ بعض جزئیات میں اپنے استاذ کی مخالفت کی ہے مگر اصول میں وہ اپنے استاذ کی پیروی کرتے ہیں۔

تیسرا طبقہ:

مجتہدین فی المسائل کا ہے۔ جن جزئیات میں امام اعظم اور ان کے تلامذہ سے کوئی روایت منقول نہیں، یہ حضرات اپنے اجتہاد سے ان کے احکام بیان کرتے ہیں مثلاً خصاف، کرخی، حلوانی، سرخسی، بزدوی اور قاضی خان وغیرہ۔ یہ حضرات امام اعظم کی نہ اصول میں مخالفت کر سکتے ہیں نہ فروع میں۔ البتہ امام اعظم کے اصول و ضوابط کو پیش نظر رکھ کر ان جزئیات سے احکام مستنبط کر سکتے ہیں جن کے بارے میں امام اعظم سے کوئی قول مروی نہیں ہے۔

چوتھا طبقہ:

اصحاب تخریج کا ہے۔ یہ حضرات مقلد ہوتے ہیں، مثلاً جصاص رازی اور ان کے ہم مرتبہ حضرات۔ ان حضرات میں اجتہاد کی صلاحیت مطلق نہیں ہوتی مگر چونکہ یہ حضرات اصول کو اچھی طرح محفوظ کئے ہوئے ہوتے ہیں اور ان اصول کے مآخذ سے بھی واقف ہوتے ہیں اس لئے صاحب مذہب سے یا ان کے کسی مجتہد شاگرد سے منقول کسی ایسے قول کی جو مجمل اور ذو وجہین ہوتا ہے یا کسی ایسے حکم کی جس میں دو احتمال ہوتے ہیں، اپنی خداداد صلاحیت سے اور اپنے امام کے اصول پیش نظر رکھ کر اور نظائر و امثال پر قیاس کر کے تفصیل و تعیین کر سکتے ہیں۔ ہدایہ میں جو

کہیں کہیں آتا ہے کہ "کذا فی تخریج الکرخی" اور "کذا فی تخریج الرازی"

پانچواں طبقہ:

اصحاب ترجیح کا ہے۔ یہ حضرات بھی مقلد ہوتے ہیں ان میں بھی اجتہاد کی مطلق صلاحیت نہیں ہوتی جیسے قدوری، صاحب ہدایہ اور انہی جیسے دوسرے حضرات۔ ان فقہاء کا کام مختلف روایتوں میں سے کسی ایک روایت کو ترجیح دینا ہے جس کے لئے عام طور پر یہ تعبیرات اختیار کی جاتی ہیں

(1) ھذا اولی (یہ بہتر ہے) (2) ھذا اصح روایۃ (اس کی روایت زیادہ صحیح ہے) (3) ھذا اوضح (یہ دلائل کے اعتبار سے زیادہ واضح ہے) (4) ھذا اوفق للقیاس (یہ قیاس سے زیادہ ہم آہنگ ہے) (5) ھذا ارفق للناس (اس میں لوگوں کے لئے زیادہ سہولت ہے)

چھٹا طبقہ:

اصحاب تمیز کا ہے۔ یہ حضرات بھی مقلد ہوتے ہیں لیکن اس کے ساتھ اقوی، قوی اور ضعیف اقوال کے درمیان امتیاز کر سکتے ہیں۔ نیز ظاہر روایت 'ظاہر مذہب اور روایت نادرہ کے درمیان فرق کر سکتے ہیں۔ مثلاً متون معتبرہ کنز، وقایہ اور مجمع کے مصنفین۔ ان حضرات کا کام یہ ہے کہ وہ اپنی کتابوں میں مردود اقوال اور ضعیف روایتیں نقل نہ کریں۔

ساتواں طبقہ:

ان فقہا کا ہے جو مقلد محض ہوتے ہیں اور مختلف اقوال میں تمیز بھی نہیں کر

سکتے نہ کارآمد اور نکمے اقوال میں امتیاز کر سکتے ہیں۔نہ دائیں بائیں میں فرق کر سکتے ہیں بلکہ جو کچھ مل جاتا ہے سب اپنی کتابوں میں جمع کر لیتے ہیں ان کا حال رات میں لکڑیاں چننے والوں جیسا ہے۔

مفتیانِ کرام کیلئے ایک اہم ہدایت

موجودہ زمانے میں فتوی دینے اور مفتی کہلانے کا شوق بہت عام ہے۔امام مسجد کو شوق ہے مولانا صاحب کہلوانے کا اور مولانا صاحب کو شوق ہے علامہ صاحب کہلانے کا اور علامہ صاحب کو شوق ہے مفتی صاحب کہلانے کا۔حالانکہ فتوی دینا نہایت نازک کام ہے کیونکہ فتوی دینے والا بندے اور اللہ کے درمیان واسطہ ہے اور اس نے لوگوں کو اللہ کا حکم بتانا ہوتا ہے تو جو مفتی نہیں اور مفتی بن کر فتوی دیتا ہے وہ خود بھی گمراہ ہوتا ہے اور دوسروں کو بھی گمراہ کرتا ہے ایسے لوگوں کے بارے میں حدیث مبارک میں وعید موجود ہے اور اس بات کو قربِ قیامت کی نشانیوں میں شمار کیا گیا ہے۔

چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: إِنَّ اللّٰهَ لَا يَقْبِضُ الْعِلْمَ انْتِزَاعاً يَنْتَزِعُهُ مِنَ النَّاسِ ، وَلٰكِنْ قَبْضُ الْعِلْمِ قَبْضُ الْعُلَمَاءِ ، فَإِذَا لَمْ يُبْقِ عَالِماً اتَّخَذَ النَّاسُ رُءُوساً جُهَّالاً فَسُئِلُوا فَأَفْتَوْا بِغَيْرِ عِلْمٍ فَضَلُّوا وَأَضَلُّوا

ترجمہ: ''اللہ تعالٰی لوگوں کو علم سکھا دینے کے بعد ان کے سینوں سے واپس نہیں لے گا بلکہ علم کا جانا علماء کے فوت ہو جانے کے ساتھ ہوگا۔ پھر لوگ اپنا سردار جاہلوں کو بنالیں گے ان سے سوال کریں گے اور وہ بغیر علم کے ان کو جواب دیں گے تو وہ خود بھی گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے۔''

(کتاب الفقیہ والمتفقہ جلد2، صفحہ152)

عموماً ایسے مفتی کہلانے والے حضرات کا مطالعہ نہایت قلیل ہوتا ہے۔ نہ کتابوں کا مطالعہ، نہ اصولوں پر دسترس، نہ جزئیات پر عبور، نہ وسعتِ نظری، نہ کسی بڑے عالم کی صحبت، نہ ''میں نہیں جانتا'' کہنے کی توفیق۔ ایسے حضرات کیلئے علامہ ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ فتوی نہایت اہم اور مفید ہے۔

علامہ شامی علیہ الرحمۃ نقل فرماتے ہیں: ''میں نے ابن حجر کے فتاوی میں دیکھا کہ ان سے ایک ایسے شخص کے بارے میں سوال ہوا جو کتبِ فقہ کا خود مطالعہ کرتا ہے اور خود ہی پڑھتا ہے اسکا کوئی استاد نہیں ہے اور پھر اپنے مطالعہِ کتب پر اعتماد کرتے ہوئے فتوی دیتا ہے تو ایسے شخص کا فتوی دینا جائز ہے یا نہیں؟

تو ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے جواباً ارشاد فرمایا: اس شخص کو کئی وجوہات کی بناء پر فتوی دینا جائز نہیں اس لئے کہ وہ ایک عام جاہل شخص ہے وہ اپنے قول کو نہیں جانتا بلکہ وہ شخص جو معتبر علماء مشائخ کی کتب سے علم لیتا ہے تو اسکے لئے ایک دو کتابیں دیکھ کر فتوی دینا جائز نہیں، بلکہ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے تو یہاں تک فرمایا کہ: ایسے شخص کو دس بیس کتابوں سے دیکھ کر بھی فتوی دینا جائز نہیں کیونکہ بسا اوقات دس بیس کتابوں

کے مصنفین بھی مذہب کے کسی ضعیف مسئلہ پر اعتماد کر لیتے ہیں تو اس وقت ان علماء کی تقلید بھی جائز نہیں بخلاف اس ماہر کے جس نے اہل علم سے علم حاصل کیا اور اس کے نفس میں فقہی ملکہ پیدا ہو گا جس کی وجہ سے وہ صحیح اور ضعیف قول میں تمیز کر لیتا ہے اور مسائل اور ان سے متعلق معتد بہ وجوہات کو بھی جانتا ہے تو ایسا شخص لوگوں کو فتوی دے سکتا ہے اور ایسا شخص اللہ عزوجل اور اسکے بندوں کے درمیان واسطہ بننے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

البتہ اگر ایسے شخص کے علاوہ کوئی اور اس مقدس منصب پر چڑھنے کی کوشش کرے تو اسے سخت تعزیر اور زبردست زجر کیا جائے تا کہ اس جیسے دیگر افراد اس برے کام سے بچیں جو بے شمار مفاسد کا دروازہ کھولتا ہے۔

(شرح عقود صفحہ:63)

امام اہلسنت مفتی ناقل کے بارے میں فرماتے ہیں:

حدیث تفسیر واصول وادب وقدر حاجت ہیئت وہندسہ، وتوقیت اور ان میں مہارت کافی وذہن صافی ہو اور نظر وافی ہو اور فقہ کا کثیر مشغلہ اور اشغال دنیویہ سے فراغ قلب اور توجہ الی اللہ اور نیت لوجہ اللہ اور ان سب کے ساتھ شرط اعظم توفیق من اللہ جو ان شروط کا جامع ہو وہ اس بحر ذخار میں شناوری کر سکتا ہے مہارت اتنی ہو کہ اس کی اصابت اس کی خطا پر غالب ہو اور جب خطا واقع ہو رجوع سے عار نہ رکھے۔

(فتاوی رضویہ جلد 18 صفحہ 590 رضا فاؤنڈیشن لاہور)

اسی سلسلے میں اعلیٰ حضرت، عظیم البرکت رحمۃ اللہ علیہ کے دو فتاوی ملاحظہ فرمائیں:

پہلا فتوی

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس باب میں کہ اگر کوئی شخص جس نے سوائے کتب فارسی اور اردو کے جو کہ معمولی درس میں پڑھی ہوں اور اس نے کسی مدرسہ اسلامیہ یا علماء گرامی سے کوئی سند تحصیل علم نہ حاصل کی ہو اگر وہ شخص مفتی بنے یا بننے کا دعویٰ کرے اور آیات قرآنی اور احادیث کو پڑھ کر اس کا ترجمہ بیان کرے اور لوگوں کو باور کرائے کہ وہ مولوی ہے تو ایسے شخص کا حکم یا فتویٰ اور اقوال قابل تعمیل ہیں یا نہیں اور ایسے شخص کا کوئی دوسرا شخص حکم نہ مانے تو اس کے لئے شریعت میں کیا حکم ہے؟

الجواب

سند کوئی چیز نہیں، بہتیرے سند یافتہ محض بے بہرہ ہوتے ہیں اور جنہوں نے سند نہ لی اُن کی شاگردی کی لیاقت بھی ان سند یافتوں میں نہیں ہوتی، علم ہونا چاہئے اور علم الفتویٰ پڑھنے سے نہیں آتا جب تک مدتہا کسی طبیب حاذق کا مطب نہ کیا ہو مفتیان کامل کے بعض صحبت یافتہ کہ ظاہری درس و تدریس میں پورے نہ تھے مگر خدمت علماء کرام میں اکثر حاضر رہتے اور تحقیق مسائل کا شغل ان کا وظیفہ تھا فقیر نے دیکھا ہے کہ وہ مسائل میں آج کل کے صدہا فارغ التحصیلوں بلکہ مدرسوں بلکہ نام کے مفتیوں سے بدرجہا زائد تھے، پس اگر شخص مذکور فی السوال خواہ بذات خود خواہ بفیض صحبت علماءِ کاملین علم کافی رکھتا ہے جو بیان کرتا ہے غالباً صحیح ہوتا ہے اس کی خطا سے اس کا صواب زیادہ ہے تو حرج نہیں اور اگر دونوں وجوہِ علم سے عاری ہے

صرف بطور خود اردو فارسی کتابیں دیکھ کر مسائل بتائے اور قرآن وحدیث کا مطلب بیان کرنے پر جرأت کرتا ہے تو یہ سخت اشد کبیرہ ہے اور اس کے فتویٰ پر عمل جائز نہیں اور نہ اس کا بیان حدیث وقرآن سننے کی اجازت۔

حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

"اجرأكم على الفتيا اجرأكم على النار"

ترجمہ: جو شخص فتویٰ دینے میں زیادہ جرأت رکھتا ہے وہ آتشِ دوزخ پر زیادہ دلیر ہے۔

اور ارشاد فرمایا نبی ﷺ نے:

"من قال في القرآن برايه فاصاب فقد اخطاء"

ترجمہ: جس نے قرآن کے معنی اپنی رائے سے بیان کئے اس نے اگر ٹھیک کہے تو غلط کہے۔

اور فرماتے ہیں نبی ﷺ:

"من قال في القرآن بغير علم فليتبوء مقعده من النار"

ترجمہ: جو بغیر علم کے قرآن کے معنی کہے وہ اپنا ٹھکانا دوزخ میں بنالے۔

والعیاذ باللہ تعالیٰ، واللہ تعالیٰ اعلم۔

(فتاوی رضویہ جلد23 صفحہ683تا 684)

دوسرا فتویٰ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص اپنے کو عوام

پر مولوی ظاہر کرے جس نے نہ تو کسی مدرسہ میں تعلیم باقاعدہ حاصل کی ہو اور نہ جس نے کوئی سند منشی عالم فاضل کی حاصل کی ہو اور خود ساختہ استفتاء پر خود ہی جواب تحریر کردے اور طلباء و مدرسین سے دستخط کرائے اور جس سے اپنی ذات کا منتفع ہونا مقصود ہو اور جو جید عالم و مولوی صاحبان و قاضی صاحب پر شہرت حاصل کرنے اور زر حاصل کرنے کی غرض سے جا و بیجا حملہ کرے اور جو مدت تک قاضی صاحب کے پیچھے نماز ادا کرتا رہا ہو اور چند روز سے قاضی صاحب کے پیچھے نماز ادا نہیں کرتا ہے اور صدہا علما قاضی صاحب کے پیچھے نماز ادا کرتے رہے ہیں۔

بینوا توجروا

الجواب

سند حاصل کرنا تو کچھ ضرور نہیں، ہاں باقاعدہ تعلیم پانا ضرور ہے مدرسہ میں ہو یا کسی عالم کے مکان پر، اور جس نے بے قاعدہ تعلیم پائی وہ جاہل محض سے بدتر، نیم ملا خطرۂ ایمان ہوگا ایسے شخص کو فتویٰ نویسی پر جرأت حرام ہے۔

حدیث میں ہے: نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

"من افتی بغیر علم لعنته ملئکة السماء والارض"

ترجمہ: جو بے علم فتویٰ دے اس پر آسمان وزمین کے فرشتوں کی لعنت ہے۔

اور اگر فتویٰ سے اگرچہ صحیح ہو وجہ اللہ مقصود نہیں بلکہ اپنا کوئی دنیاوی نفع منظور ہے تو یہ دوسرا سبب لعنت ہے کہ آیات اللہ کے عوض ثمنِ قلیل حاصل کرنے پر فرمایا گیا:

﴿اولئك لاخلاق لهم فی الاٰخرة ولا یکلمهم اللہ ولا ینظر الیهم یوم القیٰمة ولا یزکیهم ولهم عذاب الیم﴾

ترجمہ: ان کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں اور اللہ ان سے کلام نہ فرمائے گا اور نہ قیامت کے دن ان کی طرف نظرِ رحمت کرے اور نہ انہیں پاک کرے گا اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔

اور علمائے دین کی توہین کرنے والا منافق ہے۔ حدیث میں ہے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

"ثلثة لایستخف بحقهم الامنافق بین النفاق ذوالعلم وذوالشیبة فی الاسلام و امام مقسط"۔

ترجمہ: تین شخصوں کا حق ہلکا نہ جانے گا مگر جو منافق کھلا منافق ہو عالم اور وہ جسے اسلام میں بڑھاپا آیا اور سلطان اسلام عادل۔

تحصیل زر کے لئے علماء و مسلمین پر بیجا حملہ کرنے والا ظالم ہے اور ظلم قیامت کے دن ظلمات، قاضی مذکور جیسے امام کے پیچھے بلاوجہ شرعی نماز ترک کرنا تفریق جماعت یا ترک جماعت ہے، اور دونوں حرام و ناجائز۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(فتاوی رضویہ جلد 23 صفحہ 716)

فتوے کی اہمیت اور اسلاف کا طرزِ عمل

فتوی دینا ایک عظیم کام ہے اس کی فضیلت بہت زیادہ ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ اس میں نزاکت اور خطرہ بھی اتنا ہی زیادہ ہے۔ یہاں امام نووی رحمۃ اللہ علیہ کی

کتاب سے اس بارے میں کچھ حصہ نقل کرتے ہیں تاکہ ہمیں بزرگانِ دین کے طرزِ عمل کا علم ہو کہ فتویٰ دینا ان کے نزدیک کس قدر نازک کام تھا۔

فتویٰ دینے میں صحابہ کرام کا طرزِ عمل

عبدالرحمٰن ابن ابی لیلیٰ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں نے ایک سو بیس انصاری صحابہ کرام کو ایسا پایا کہ جب ان میں سے کسی سے کوئی سوال پوچھا جاتا تھا تو وہ دوسرے کی طرف بھیج دیتا اور دوسرا تیسرے کی طرف حتیٰ کہ گھوم گھما کر وہ سائل پہلے آدمی کی طرف لوٹ آتا تھا۔

دوسری روایت میں ہے کہ ان میں ہر کوئی پسند کرتا کہ اس کا کوئی بھائی حدیث بیان کرنے میں اور فتویٰ دینے میں اس کی طرف سے کفایت کرے یعنی وہ دوسرا جواب دیدے اور یہ بچ جائے۔

حضرت عبداللہ ابن مسعود اور عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: جس نے ہر سوال کا جواب دیا وہ مجنون ہے۔

فتویٰ دینے میں تابعین کرام کا طرزِ عمل

امام شعبی، امام حسن بصری اور ابو حصین رضی اللہ عنہم ان تینوں تابعین نے ارشاد فرمایا: اے لوگو! تم میں سے کوئی کسی ایسے مسئلے میں فتویٰ دیدیتا ہے حالانکہ وہی مسئلہ اگر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے سامنے پیش کیا جاتا تو وہ اس کیلئے اہلِ بدر صحابہ کرام کو جمع کر لیتے۔ یعنی تم بڑی آسانی سے مسائل کا جواب دیدیتے ہو جبکہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ جیسی علم و عمل کی پیکر ہستی کا عالم یہ تھا کہ جن مسائل کو تم معمولی سمجھتے ہو ان میں بھی

بدری صحابہ کرام کو جمع کر کے مشورہ کرتے اور پھر جواب دیتے تھے۔

حضرت عطا بن سائب علیہ الرحمۃ تابعی ہیں وہ فرماتے ہیں: میں نے ایسے لوگوں (یعنی صحابہ و تابعین) کو پایا ہے کہ ان میں سے کسی سے اگر کوئی مسئلہ پوچھا جاتا ہے تو کانپتے کانپتے جواب دیتے۔

حضرت سفیان بن عیینہ اور سحنون علیہما الرحمۃ فرماتے ہیں: لوگوں میں فتوی دینے سے سب سے زیادہ جسارت کرنے والا وہ شخص ہے جو ان میں علم کے اعتبار سے سب سے کم تر ہوتا ہے۔

فتوی دینے میں امام ابوحنیفہ کا طرزِ عمل

امام اعظم امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ ڈر نہ ہوتا کہ علم ضائع ہو جائے گا تو میں فتوی نہ دیتا۔ لوگوں کیلئے تو خوشی ہوتی ہے اور میرے اوپر بوجھ رہ جاتا ہے۔

فتوی دینے میں امام شافعی کا طرزِ عمل

امام شافعی رضی اللہ عنہ سے کسی مسئلے کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے جواب نہ دیا۔ ان سے اس سلسلے میں مزید کچھ کہا گیا تو ارشاد فرمایا، میں اس مسئلے کا جواب اس وقت تک نہیں دوں گا جب تک یہ نہ جان لوں کہ اس مسئلے میں خاموش رہنا بہتر ہے یا جواب دینا۔ (3,13)

فتوی دینے میں امام احمد بن حنبل کا طرزِ عمل

اثرم کہتے ہیں: میں نے امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ کو (مسائل کے جواب

میں) کثرت سے ''لا ادری'' یعنی میں نہیں جانتا کہتے ہوئے دیکھا ہے۔اور یہ آپ کے بکثرت کہے جانے والے الفاظ میں سے تھا۔

فتوی دینے میں امام مالک کا طرزِ عمل

ہیثم بن جمیل کہتے ہیں: میں امام مالک رضی اللہ عنہ کی خدمت میں موجود تھا۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ سے اڑتالیس (48) مسائل پوچھے گئے تو آپ نے بتیس (32) مسائل کے جواب میں فرمایا: میں نہیں جانتا۔

امام مالک رضی اللہ عنہ سے یہ بھی مروی ہے کہ بعض اوقات آپ سے پچاس سوال کئے جاتے لیکن آپ کسی ایک مسئلے کا جواب بھی ارشاد نہ فرماتے اور ارشاد فرماتے تھے، ''جو کسی مسئلے کا جواب دے تو اس سے پہلے اپنی جان کو جنت اور جہنم پر پیش کرے اور غور کرے کہ اس کا چھٹکارا کس صورت میں ہے۔اس غور و فکر کے بعد جواب دے۔''

ایک مرتبہ امام مالک سے کوئی مسئلہ دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا ''مجھے اس کا جواب معلوم نہیں'' کسی نے کہا: حضرت! یہ تو معمولی مسئلہ ہے۔ یہ سن کر امام مالک رضی اللہ عنہ غضبناک ہو گئے اور فرمایا علم کی کوئی چیز بھی معمولی نہیں ہوتی۔

فتوی دینے میں امام سفیان بن عیینہ کا طرزِ عمل

امام شافعی فرماتے ہیں: میں نے امام سفیان بن عیینہ سے بڑھ کر کوئی ایسا شخص نہیں دیکھا جس میں ان سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ نے فتوی دینے کی صلاحیتیں پیدا

فرمائی ہوں لیکن وہ فتوی دینے میں سب سے زیادہ خاموش رہنے والے شخص تھے۔

صیمری اور خطیب فرماتے ہیں: جو شخص فتوی دینے کا حریص ہو اور فتوی دینے میں فوراً سبقت کرے تو اس کی توفیق کم ہو جاتی ہے اور اگر فتوی دینے کو ناپسند کرے اور فتوی دینے کا معاملہ دوسرے کی طرف پھیر دے تو اللہ کی طرف سے اس کی مدد ہوتی ہے اور اس کے جواب میں درستی کا پہلو زیادہ ہوتا ہے۔ ان دونوں بزرگوں نے اس مسئلے کا استدلال اس حدیث سے کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: امارت (حکمرانی) نہ مانگو کیونکہ اگر تمہیں تمہارے مانگنے پر دی گئی تو تمہیں تمہارے سپرد کر دیا جائے گا اور اگر تمہیں بن مانگے دی گئی تو اس پر تمہاری مدد کی جائے گی۔

غلط فتوی دینے کی سخت وعید

مشہور مالکی فقیہ امام ابوسعید عبدالسلام بن سعید المعروف سحنون فرماتے ہیں: لوگوں میں سب بڑا بد بخت وہ ہے جو اپنی دنیا کے بدلے اپنی آخرت بیچ دے اور اس سے بھی بڑا بد بخت وہ ہے جو دوسروں کی دنیا کی خاطر اپنی آخرت بیچ دے پھر فرماتے ہیں کہ میں نے اس بات میں غور کیا کہ ایسا بد بخت کون ہو سکتا ہے تو میں نے ایسا شخص (غلط فتوے دینے والے) مفتی کو پایا کہ اس کے پاس ایک شخص آ کر طلاق کے بارے میں کچھ پوچھتا ہے تو مفتی کہتا ہے کہ کوئی مسئلہ نہیں ہے حالانکہ اس کی بیوی کو طلاق ہو چکی ہوتی ہے تو وہ شخص تو جا کر اپنی بیوی سے فائدہ اٹھاتا ہے جبکہ فتوی دینے والا دوسرے کی دنیا کی خاطر اپنی آخرت بیچ چکا ہوتا ہے۔

حضرت بشر بن حارث نے فرمایا: جو شخص پسند کرے کہ اس سے مسائل پوچھے جائیں وہ اس بات کا اہل ہی نہیں ہے کہ اس سے کچھ پوچھا جائے۔

امام ابوالحسن القابسی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں ہے کہ فتوی دینا ان کے لئے سب سے مشقت والا کام تھا اور ایک مرتبہ فرمایا: مجھے اس آزمائش میں مبتلا کیا گیا جس میں کسی دوسرے کو مبتلا نہ کیا گیا۔ (وہ کام فتوی دینا ہے۔) اور میں کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان:

﴿وَلَا تَقُولُوا لِمَا تَصِفُ أَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هَٰذَا حَلَالٌ وَهَٰذَا حَرَامٌ لِّتَفْتَرُوا عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ إِنَّ الَّذِينَ يَفْتَرُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُونَ﴾

ترجمہ کنز العرفان: اور کیونکہ تمہاری زبانیں جھوٹ بولتی ہیں اس لئے (مختلف چیزوں کی اپنی مرضی سے) نہ کہو کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے (یہ نہ کہو) تاکہ (اس طرح) تم اللہ پر جھوٹ باندھو۔ بیشک جو اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں وہ کامیاب نہ ہوں گے۔

(پارہ 14 سورہ نحل 116)

یہ فرمان اس شخص کو بھی شامل ہے جو فتوی دینے میں ٹیڑھا چلے اور حرام کے بارے میں کہے "یہ حلال ہے۔" اور حلال کے بارے میں کہے "یہ حرام ہے۔"

حضرت ربیعہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: بعض فتوی دینے والے ایسے ہیں جو چوروں سے زیادہ جیل میں قید کئے جانے کے حقدار ہیں۔

حکومت اور مدارس کے بڑے اساتذہ کی ذمہ داری

لوگوں کے شرعی مسائل کے حل کیلئے ماہر علماء و مفتیانِ کرام کو مقرر کرنا اور ان کی کفالت کرنا حکومت کی ذمہ داری ہے یونہی اگر کوئی شخص غلط فتوے دیتا ہے یا فتوؤں کے ذریعے فساد پھیلا رہا ہے تو اس پر گرفت کرنا اور اسے اس سے منع کرنا بھی حکومت کی ذمہ داری ہے جیسا اوپر حضرت ربیعہ کا فرمان گزرا لیکن فی زمانہ حکومت دنیا جہان کا ہر کام تو کرتی ہے لیکن لوگوں کے دینی معاملات کو سنوارنے کا کوئی اہتمام نہیں کرتی۔ ایسی صورت حال میں کہ جب صرف مدارسِ اسلامیہ ہی لوگوں کی شرعی رہنمائی کررہے ہیں، مدارس کے مہتمم حضرات اور صدر مدرسین کی ذمہ داری ہے کہ

اولاً: تو اپنے اداروں میں اچھے اور قابل مفتی رکھیں تاکہ لوگوں کو دین کے مسائل بتاسکیں۔

ثانیاً: اچھے اور قابل مفتی تیار کرنے کا انتظام کریں

ثالثاً: اپنے ادارے کے فارغ التحصیل طلبہ اور متعلقین کے بارے میں معلومات حاصل کرتے رہیں کہ کہیں ایسا تو نہیں تو کہ کوئی شخص فتوی دینے کا اہل نہیں اور اس نے فتوی دینا شروع کیا ہوا ہے۔ اگر ایسی صورت ہو تو جہاں پر ایسے شخص کو روکنا ممکن ہو وہاں ضرور روکا جائے۔

کیا ہر مسئلے کا جواب دینا واجب ہے؟

علم کو کن صورتوں میں چھپانا جائز اور کن صورتوں میں ناجائز ہے اس میں

تفصیل ہے۔مفسرین ومحدثین کرام رحمہم اللہ نے اس کی مختلف صورتیں بیان فرمائی ہے اوران میں واضح فرمایا ہے کہ ان صورتوں میں علم دین کو چھپانا جائز ہے اوران صورتوں میں ناجائز ہے۔اس کو بالترتیب ذکرکیا جاتا ہے۔

چنانچہ اللہ عزوجل قرآن پاک میں ارشاد فرماتا ہے

﴿إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنَاتِ وَالْهُدَىٰ مِن بَعْدِ مَا بَيَّنَّاهُ لِلنَّاسِ فِي الْكِتَابِ أُولَٰئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللَّهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللَّاعِنُونَ﴾

ترجمہ کنزالایمان: بیشک وہ جو ہماری اتاری ہوئی روشن باتوں اور ہدایت کو چھپاتے ہیں بعد اس کے کہ لوگوں کے لئے ہم اسے کتاب میں واضح فرما چکے ہیں ان پر اللہ کی لعنت ہے اور لعنت کرنے والوں کی لعنت۔

(سورۃ البقرہ پارہ نمبر 2 آیت نمبر 159)

تفسیر کبیر میں امام فخر الدین رازی علیہ رحمۃ اللہ اس آیت کے تحت ارشاد فرماتے ہیں "

الکتمان ترك اظهار الشئ مع الحاجة اليه وحصول الداعي الى اظهاره لانه متى لم يكن كذلك لايعد كتمانا"

ترجمہ: جب مسائل بیان کرنے کی حاجت ہواوران کوظاہر کرنے کا مطالبہ پایا جائے تو ایسی صورت میں ان مسائل کو نہ بیان کرنا کتمانِ علم ہے لیکن جب اس قسم کی ضرورت نہ ہوتو کسی کے خاموش رہنے سے کتمانِ علم کی وعید اس پر صادق نہیں آئے گی۔

(تفسیر کبیر جلد نمبر 2 صفحہ نمبر 140 مکتبہ علوم اسلامیہ لاہور)

تفسیر کبیر میں امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کے تحت المسئلۃ الثالثۃ بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

"هذه الاية تدل على ان مايتصل بالدين ويحتاج اليه المكلف لايجوز ان يكتم ومن كتمه فقد عظمت خطيئته"

ترجمہ : یہ آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ جو لوگ علم دین رکھتے ہیں اور لوگ ان کی طرف محتاج ہیں تو ان کے لیے جائز نہیں کہ وہ علم کو چھپائیں اور اس وقت جو علم کو چھپائے تو وہ بڑا گناہگار ہے۔

(تفسیر کبیر جلد نمبر 2 صفحہ نمبر 140 مکتبہ علوم اسلامیہ لاہور)

تفسیر کبیر میں مزید ہے:

"هذا الاظهار فرض على الكفايه لاعلى التعين وهذا لانه اذا ظهر البعض صار بحيث يتمكن كل احد من الوصول اليه فلم يبق مكتوما واذا خرج عن حد الكتمان لم يجب على الباقين اظهاره مرة اخرى"

ترجمہ : علم ظاہر کرنا فرض کفایہ ہے نہ کہ کسی معین شخص پر لازم ہے اسی لیے جب کچھ لوگوں نے بیان کر دیا تو یہ اس طرح ہو گیا کہ ہر ایک کو اس تک پہنچنا ممکن ہے تو یہ علم کا چھپانا نہ رہا اور جب یہ چھپانے کی تعریف سے نکل گیا تو بقیہ علماء پر اس کا دوسری مرتبہ بیان کرنا واجب نہیں۔

(تفسیر کبیر جلد نمبر 2 صفحہ نمبر 141.140 مکتبہ علوم اسلامیہ لاہور)

تفسیر روح المعانی میں علامہ محمود آلوسی رحمۃ اللہ علیہ اس کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں

"واستدل بھذہ الایۃ علی وجوب اظھار علم الشریعۃ وحرمۃ کتمانہ لکن اشترطوا لذلك ان لایخشی العالم علی نفسه وان یکون متعینا والالم یحرم علیه الکتم الاان سئل فیتعین علیه الجواب مالم یکن اثمه اکبر من نفعه"

ترجمہ: اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ شرعی مسائل کا بیان کرنا واجب ہے اور ان کا چھپانا حرام ہے مگر اس کی چند شرائط ہے کہ عالم کو مسئلہ بتانے میں نہ ہی اپنی جان کا خوف ہے اور نہ وہ ایسا مسئلہ ہے جو فقط اسے معلوم ہے تو اس کو شرعی مسئلہ بیان کرنا واجب ہے ورنہ اس کا نہ بتانا حرام نہیں ہاں اگر یہ مسئلہ اسی کو معلوم ہے تو اس پر اس کا بیان کرنا واجب ہے جبکہ اس کا شر اس کے نفع سے زیادہ نہ ہو۔

(روح المعانی جلد نمبر2.1 صفحہ نمبر581 مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

الفتوحات الالھیه بتوضیح تفسیر الجلالین للدقائق الحنفیه میں ہے:

"وھذہ الایۃ تدل علی ان من امکنه بیان اصول الدین بالدلائل العقلیۃ لمن کان محتاجا الیھا وکتم شیئا من احکام الشرع مع الحاجۃ الیه ھذہ الوعید وفی الخازن ھل اظھار علوم الدین فرض کفایۃ اوفرض عین فیه خلاف الاصح انه اذا ظھر للبعض بحیث یتمکن کل واحد من الوصول الیه لم یبق مکتوما وقیل اذا سئل العالم عن شئی یعلمه من أمر الدین

یجب علیه اظهارہ والافلا "

ترجمه : یہ آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ یہ وعید اس شخص کے لیے ہے جو دلائل عقلیہ کے ساتھ اصول دین بیان کر سکتا ہے اس شخص کے لیے جس کو اس کی حاجت ہے مگر وہ بیان نہیں کرتا یا حاجت کے وقت شریعت کے احکام میں سے کچھ چھپاتا ہے اور تفسیر خازن میں ہے کہ علم دین کا بیان کرنا فرض کفایہ ہے یا فرض عین ہے اس میں اختلاف ہے اور صحیح قول یہی ہے کہ جب بعض علماء نے اس کو بیان کر دیا اس طرح کہ جو چاہے معلوم کر سکے تو یہ چھپانا نہ ہوا اور کہا گیا ہے کہ جب عالم سے دین کے کسی مسئلہ کے بارے میں پوچھا جائے جس کو وہ جانتا ہے تو اس پر اس کا بیان کرنا واجب ہے ورنہ واجب نہیں۔

(الفتوحات الالهیه بتوضیح تفسیر الجلالین للدقائق الحنفیه جلد نمبر 1 صفحه نمبر 190)

علامہ قرطبی علیہ رحمۃ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

"لایجوز تعلیم الکافر القرآن والعلم حتی یسلم وکذالایجوز تعلیم المبتدع الجدال والحجاج لیجادل به اهل الحق ولایعلم الخصم علی خصمة حجة یقطع بهاماله ولایعلم السلطان تاویلایتطرق به الی مکاره الرعیة ولاینشرالرخص فی السفهاء فیجعلواذلك طریقا الی ارتکاب المحظورات وترك الواجبات ونحو ذلك یروی عنی النبی صلی الله تعالیٰ علیه وآلہٖ وسلم انه قال لاتمنعوا الحکمة اهلها فتظلموهم ولاتضعوهافی غیراهلهافتظلموها"

ترجمہ : کافر کو قرآن مجید کی تعلیم دینا جائز نہیں حتی کہ وہ مسلمان ہو جائے، اسی طرح جو بدعتی اہل حق سے مناظرے کرتا ہو اس کو تعلیم دینا جائز نہیں ہے اور کسی ایسے شخص کو ایسی حجت کی تلقین کرنا جائز نہیں جس سے وہ کسی کا مال ہڑپ کر لے، اور نہ حاکم کو ایسی تاویل سکھانا جائز ہے جس سے وہ عوام کے اندرونی معاملات میں مداخلت کرے اور نہ عام لوگوں کو ایسی شرعی رخصتیں اور شرعی حیلے بتانا جائز ہیں جن سے کام لے کر وہ حرام کام کریں اور واجبات کو ترک کریں، سرکار ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اہل لوگوں کے سامنے حکمت کے بیان سے نہ رکو ورنہ تم ان پر ظلم کرو گے اور نا اہل لوگوں کے سامنے حکمت کو بیان نہ کرو ورنہ تم اس حکمت پر ظلم کرو گے۔

(الجامع لاحکام القرآن جلد نمبر 2 صفحہ نمبر 185 مطبوعہ ایران)

تفسیر بحر محیط میں اس آیت کے تحت ہے

" أن كتمان العلم حرام، يعنون علم الشريعة لقوله : (ما أنزلنا من البينات) ، وبشرط أن يكون المعلم لا يخشى على نفسه، وأن يكون متعيناً لذلك . فإن لم يكن من أمور الشرائع، فلا تحرج في كتمها "

ترجمہ : علم کو چھپانا حرام ہے اور ہم اس سے مراد شریعت کا علم لیتے ہے اللہ عزوجل کے فرمان ما أنزلنا من البينات کی وجہ سے اور یہ بھی شرط ہے کہ معلم کو اپنی جان کا خوف نہ ہو اور نہ ہی وہ اس کے لیے معین ہو۔ اور شرعی علم کے علاوہ کوئی اور علم چھپانے میں کوئی حرج نہیں۔

(تفسیر بحر محیط)

نجوم الفرقان من تفسیر آیات القرآن میں حضرت علامہ مولانا عبد الرزاق بھترالوی دامت برکاتہم العالیہ کتمان علم کب برا ہے بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

"ان العالم اذا قصد کتمان العلم عصی واذا لم یقصده لم یلزمه التبلیغ اذا عرف انه مع غیره واما من سئل فقد وجب علیه التبلیغ"

ترجمہ: بے شک عالم جب علم کو ارادۃً چھپائے گا گنہگار ہوگا اور جب مسائل کو ارادۃً نہ چھپائے تو اس پر تبلیغ لازم نہیں کیونکہ اسے معلوم ہے کہ میرے بغیر اور حضرات یہ فریضہ ادا کر رہے ہیں ہاں اگر کسی سے کوئی مسئلہ پوچھا جائے تو اس پر لازم ہو جاتا ہے کہ وہ بیان کرے۔

مزید فرماتے ہیں کہ جب رب تعالیٰ نے ﴿الْبَيِّنَاتِ وَالْهُدَى﴾ ذکر فرمایا تو اسی سے واضح ہوا کہ جن چیزوں کی دین میں زیادہ ضرورت ہے کہ ان کو بیان کیا جائے ان کو قصداً چھپانا اور کسی کے مسئلہ پوچھنے پر چھپانا کتمانِ حق ہے۔

(نجوم الفرقان جلد نمبر4صفحہ نمبر282.283.284مطبوعہ ضیاء العلوم پبلی کیشنز راولپنڈی)

مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ اس کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں: دین اور دینی علموں کا ظاہر کرنا فرض ہے بروقت ضرورت ان کو چھپانے والا سخت گنہگار اور لعنت کا مستحق۔ علماء کو چاہیے کہ اس سے عبرت پکڑیں اور مسائل دینی کے اظہار میں تامل نہ کریں۔ ہاں جو چیزیں غیر ضروری ہوں اور ان کی اشاعت میں فساد کا خطرہ ہو اسے شائع نہ کیا جائے دیکھو سرکار صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کعبہ شریف کی

موجودہ عمارت بنیاد خلیلی سے کچھ کم ہے اور اس کی شکل میں کچھ فرق ہے کہ بجائے دو کے ایک ہی دروازہ ہے مگر اسے شہید کر کے درست نہ فرمایا کیونکہ اس فرق سے دین میں کوئی خرابی نہ آئی مگر اس کی اصلاح میں لوگوں میں فساد پھیلتا اس لئے قرآن کریم نے یہاں ﴿ یکتمون ﴾ فرمایا یعنی جو ضروری چیزیں چھپائیں۔

(تفسیر نعیمی جلد نمبر 2 صفحہ نمبر 112 نعیمی کتب خانہ گجرات)

اسی طرح قرآن پاک کی ایک اور آیت مبارکہ میں ہے:

﴿ وَإِذْ أَخَذَ اللّٰهُ مِيثَاقَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ لَتُبَيِّنُنَّهُ لِلنَّاسِ وَلَا تَكْتُمُونَهُ فَنَبَذُوهُ وَرَاءَ ظُهُورِهِمْ وَاشْتَرَوْا بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا فَبِئْسَ مَا يَشْتَرُونَ ﴾

ترجمہ کنز الایمان: اور یاد کرو جب اللہ نے عہد لیا ان سے جنہیں کتاب عطا ہوئی کہ تم ضرور اسے لوگوں سے بیان کر دینا اور نہ چھپانا تو انہوں نے اسے اپنی پیٹھ پیچھے پھینک دیا اور اس کے بدلے ذلیل دام حاصل کیے تو کتنی بری خریداری ہے۔ (سورۂ آل عمران پارہ نمبر 4 آیت نمبر 187)

تفسیر روح المعانی میں علامہ محمود آلوسی رحمۃ اللہ علیہ اس کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں:

"واستدل بالاية على وجوب اظهار العلم وحرمة كتمان شئي من امور الدين لغرض فاسد"

ترجمہ: اس آیت سے اس بات پر استدلال کیا گیا ہے کہ علم کا بیان کرنا واجب

ہے اور امور دین میں سے کسی چیز کا غرض فاسد کی وجہ سے چھپانا حرام ہے۔

(روح المعانی جلد نمبر 3.4 صفحہ نمبر 490 کوئٹہ)

سنن ترمذی و سنن ابوداؤد شریف و سنن ابن ماجہ کی حدیث مبارکہ میں ہے:

"عن ابی هريرة رضی الله تعالیٰ عنه قال قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وآله وسلم من سئل عن علم ثم کتمه أُلجم یوم القیامة بلجام من نار"

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سرکار ﷺ نے ارشاد فرمایا جس سے علم کی کوئی بات پوچھی گئی اور اس نے نہیں بتائی تو اس کے منہ میں قیامت کے دن آگ کی لگام دی جائے گی

(سنن ترمذی ج2ص550 لاہور، سنن ابوداؤد ج2ص159 لاہور، سنن ابن ماجہ ص23)

مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں علامہ ملا علی قاری رحمۃ الباری اس حدیث مبارک کے تحت ارشاد فرماتے ہیں

"هذا فی العلم اللازم التعليم کاستعلام کافر عن اسلام ماهو او حدیث عهد به عن تعلیم صلاة حضر وقتها و کالمستفتی فی الحلال والحرام فانه یلزم فی هذه الامور الجواب لا نوافل العلوم الغیر الضروریة"

عبارت کا مفہوم اوپر گزر چکا ہے۔

(مرقاۃ شرح مشکوۃ جلد نمبر 1 صفحہ نمبر 438 مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں علامہ ملا علی قاری رحمۃ الباری اس حدیث مبارک کے تحت مزید ارشاد فرماتے ہیں:

"وهو علم يحتاج اليه السائل في أمر دينه ثم كتمه بعدم الجواب أو يمنع الكتاب"

ترجمہ: اس سے وہ علم مراد ہے کہ کسی دینی معاملے میں پوچھنے والے کو اس کی حاجت پھر وہ اُسے چھپائے جواب نہ دے کر یا کتاب کی حاجت ہو تو کتاب نہ دے کر۔

(مرقاۃ شرح مشکوۃ جلد نمبر 1 صفحہ نمبر 437 مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

اس حدیث مبارک کے تحت مفتی احمد یار خان نعیمی علیہ الرحمہ ارشاد فرماتے ہیں: یعنی اگر کسی عالم سے دینی ضروری مسئلہ پوچھا جائے اور وہ بلاوجہ نہ بتائے تو قیامت میں وہ جانوروں سے بدتر ہوگا کہ جانور کے منہ میں چمڑے کی لگام ہوتی ہے اور اُس کے منہ میں آگ کی لگام ہوگی۔ خیال رہے کہ یہاں علم سے مراد حرام حلال فرائض واجبات وغیرہ تبلیغی مسائل ہیں جن کا چھپانا جرم ہے۔

(مراۃ المناجیح ج 1 ص 204 نعیمی کتب خانہ گجرات)

اشعۃ اللمعات میں اس حدیث مبارک کے تحت ہے: یعنی جس علم کا جاننا ضروری ہو اور علماء سے کوئی اور اسے بیان نہ کرنے والا بھی نہ ہو اور بیان کرنے سے کوئی صحیح عذر بھی مانع نہ ہو بلکہ بخل اور علم دین سے لاپرواہی کی بناء پر چھپائے تو اس مذکورہ سزا کا مستوجب ہوگا۔

(اشعۃ اللمعات ج 1 ص 501 لاہور)

سنن ابن ماجہ میں ایک اور حدیث مبارک ہے:

"عن ابی سعید الخدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم من کتم علماممایںفع اللہ بہ فی امر الناس امر الدین الجمہ یوم القیامۃ بلجام من النار"

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سرکار ﷺ نے ارشاد فرمایا جو علم کو چھپائے جس علم سے اللہ عزوجل نے اسے لوگوں اور دین میں نفع دیا ہو، اس کے منہ میں قیامت کے دن آگ کی لگام دی جائے گی۔

(سنن ابن ماجہ ص23 کراچی)

اس حدیث کے تحت سنن ابن ماجہ کے حاشیہ میں ہے:

"امر الدین بدل من امر الناس یعنی ان ھذا الوعید مختص بکتمان علم الدین لاالصنائع الدنیویۃ لان کتمان المنافع الدنیویۃ جائز لان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم قال من استطاع ان ینفع احدامن المسلمین فلیفنعہ فکتمان اھل الصناعات صناعاتھم ممنوع ایضا ولکن لابھذہ المرتبۃ التی تستحق بھا ھذا الوعید بل اھون من کتمان الدین واماماینفع فی الدنیاویضر فی الاخرۃ فکتمانہ مستحسن جدا"

ترجمہ: دینی علم کے چھپانے کا حکم دنیاوی علم چھپانے سے مختلف ہے کہ یہ وعید مخصوص ہے دینی علم کے چھپانے پر نہ کہ دنیاوی علوم پر اس لئے کہ دنیاوی طور پر اس کا چھپانا جائز ہے کہ سرکار ﷺ نے فرمایا کہ جو کسی کو نفع دے سکتا ہے تو چاہئے کہ وہ

نفع دے، کاریگری کے فن کو چھپانا بھی دینی علم کے چھپانے کی طرح ممنوع ہے لیکن دین کے علم کے مقابل کاریگری کے فن کو چھپانے والا اس وعید میں نہ آئے گا، اور جس علم سے دنیا میں نفع ہوتا ہو اور آخرت میں نقصان تو ایسے علم کا چھپانا اچھا ہے۔

(سنن ابن ماجہ ص23 کراچی)

بخاری و مسلم شریف کی حدیث مبارکہ ہے

"قال حدثنا انس بن مالك ان النبی صلی الله تعالیٰ علیه وآله وسلم ومعاذ ردیفه علی الرحل قال یامعاذ بن جبل قال لبیك یارسول الله وسعدیك قال یامعاذ قال لبیك یارسول الله وسعدیك ثلاثا مامن احد یشهد ان لااله الاالله وان محمدا رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وآله وسلم صادقامن قلبه الاحرمه الله علی النارقال یارسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وآله وسلم افلااخبر به الناس فیستبشرون قال اذایتکلوا واخبر بهامعاذ عند موته تاثما"

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے خبر دی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جبکہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ آپ کے ساتھ ایک ہی کجاوے پر سوار تھے اے معاذ بن جبل! انہوں نے کہا: لبیک یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! وسعدیک۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے معاذ! انہوں نے کہا: لبیک یارسول اللہ وسعدیک، تین بار آپ نے معاذ کو یہ فرمایا اس کے بعد فرمایا نہیں ہے کوئی شخص جو اللہ تعالیٰ کی توحید اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی صدق دل سے گواہی دے مگر اللہ تعالیٰ اس کو دوزخ پر حرام کر دیتا ہے

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے کہا یا رسول اللہ ﷺ کیا میں لوگوں کو اس کی خبر نہ کردوں وہ خوش ہو جائیں گے آپ ﷺ نے فرمایا اس وقت وہ صرف اسی پر بھروسہ کر بیٹھیں گے پھر حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے (کتمانِ علم کے) گناہ سے بچتے ہوئے اپنی وفات کے وقت اس کی لوگوں کو خبر دی۔

(صحیح بخاری ج1ص24 کراچی،صحیح مسلم ج1ص46 کراچی)

حضرت علامہ یحیٰی بن شرف نووی رحمۃ اللہ علیہ اس کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں:

"ومعاذ انه كان يحفظ علما يخاف فواته وذهابه بموته فخشي ان يكون ممن كتم علما ممن لم يتمثل امر رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وآله وسلم في تبليغ سنته فيكون آثما فاحتاط واخبره بهذه السنة مخافة من الاثم علم ان النبي صلى الله تعالىٰ عليه وآله وسلم لم ينهه عن الاخبار بهانهي تحريم"

ترجمہ: حضرت معاذ رضی اللہ عنہ علم کی حفاظت کرتے تھے اور ان کو خدشہ تھا کہ ان کی موت سے یہ علم رخصت ہو جائے گا اور ان کا شمار علم کے چھپانے والوں میں ہوگا اور رسول اللہ ﷺ نے جو اپنی احادیث کی تبلیغ کا حکم دیا ہے اس پر ان سے عمل نہیں ہو سکے گا اس لیے انہوں نے احتیاط پر عمل کیا اور موت سے پہلے یہ حدیث بیان کر دی اور ان کا یہ خیال تھا کہ نبی ﷺ نے اس حدیث کو بیان کرنے سے تحریماً منع نہیں فرمایا۔

(شرح صحیح مسلم ج1ص46)

فتح الباری شرح صحیح بخاری میں اس حدیث کے تحت ہے:

"معنى التأثم التحرج من الوقوع في الاثم وهو كالتحنث وانما خشي

معاذ من الاثم علی کتمان العلم و کانہ فهم من منع النبی صلی الله تعالیٰ علیه و آلہٖ وسلم ان یخبر بها اخبارا عاما لقوله افلا ابشر الناس فاخذ هو اولا بعموم المنع فلم یخبر بها احدا ثم ظهر له ان المنع انما هو من الاخبار عموما فبادر قبل موته فاخبر بها خاصا من الناس وهکذا فی عمدة القاری وارشاد الساری شرح صحیح بخاری"

عبارت کا مفہوم اوپر گزر چکا ہے :

(فتح الباری ج1ص303.304، عمدۃ القاری ج2ص314 ارشادالساری ج1ص331)

سیدی اعلیٰ حضرت مجدد دین وملت الشاہ امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں: اشاعت علم فرض اور کتمان علم حرام ہے۔

(فتاوی رضویہ ج12ص312 رضا فاؤنڈیشن لاہور)

صدرالشریعۃ مولانا امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں۔"عالم و متعلم کو علم میں بخل نہ کرنا چاہیے مثلاً اس سے عاریت کے طور پر کوئی کتاب مانگے یا اس سے کوئی مسئلہ سمجھنا چاہے تو انکار نہ کرے کتاب دے دے، مسئلہ سمجھا دے۔

حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جو شخص علم میں بخل کرے گا تین باتوں میں سے کسی میں مبتلا ہوگا یا وہ مر جائے گا اور اس کا علم جاتا رہے گا یا بادشاہ کی طرف سے کسی بلا میں مبتلا ہوگا یا علم بھول جائے گا۔"

(بہار شریعت جلد نمبر1 حصہ نمبر16 صفحہ نمبر143 ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور)

مفسرین اور محدثین کرام رحمہم اللہ کے ارشادات کی روشنی میں علم چھپانے کے عدم جواز کی صورتیں یہ ہیں۔

(1) جب مسئلہ پوچھا جائے اور سائل کو اس کی ضرورت بھی ہو تو مسئلہ بتانا واجب ہے اور نہ بتانے کی صورت میں گناہگار ہوگا۔

(2) اگر کسی کو کتاب کی حاجت ہو اور بغیر کسی سبب اور مانع کے کتاب نہ دی جائے تو یہ علم میں بخل کرنے کے قبیل سے ہے۔

(3) اگر علم کے معدوم ہونے کا خوف ہو تو پھر مسئلہ بتانا واجب ہے۔

(4) اگر مسئلہ بیان نہ کیا جائے تو سائل کا نقصان ہوگا اس صورت میں بھی مسئلہ بیان کرنا ضروری ہے۔

(5) اگر کسی مسئلہ میں اس کی گواہی کی ضرورت ہے تو اس کا گواہی دینا ضروری ہے۔

مفسرین اور محدثین کرام رحمہم اللہ کے ارشادات کی روشنی میں علم چھپانے کے جواز کی صورتیں یہ ہیں۔

(1) اگر سائل کو مسئلہ کی ضرورت نہیں تو اس کا بتانا واجب نہیں۔

(2) اگر علماء اس مسئلہ کو بیان کر چکے ہیں تو دوسرے علماء پر اس کا بتانا واجب نہیں۔

(3) اس عالم کے علاوہ دوسرے علماء بھی یہ مسئلہ بتا سکتے ہیں تو اس پر بتانا ضروری نہیں۔

(4) عالم کو اگر اپنی جان کا خوف ہے یا مسئلہ بیان کرنے میں شر ہوتا ہے تو نہ بتانے کی اجازت ہے۔

(5) شرعی علوم کا چھپانا ممنوع ہے دوسرے علوم کا چھپانا ممنوع نہیں۔ مثلاً کوئی لکڑی کا کاریگر ہے یا لوہے کا کاریگر ہے تو اس پر کسی دوسرے کو یہ ہنر سکھانا واجب نہیں۔

(6) سائل مسائل معلوم کر کے اہل حق سے بحث و مباحثہ کرتا ہو تو اس کو بتانا جائز نہیں۔

(7) اسی طرح عام لوگوں کو ایسی شرعی رخصتیں اور شرعی حیلے بتانا جائز نہیں جن سے کام لے کر وہ حرام کام کریں اور واجبات کو ترک کریں۔

اگر مفتی کوئی مسئلہ نہ جانتا ہو

مفتی اگر کوئی مسئلہ نہیں جانتا تو یہ اس کیلئے کوئی شرم کی بات نہیں ہے کہ علم ایک ایسا سمندر ہے جس کی کوئی انتہا نہیں۔ بڑے بڑے ائمہ دین ایسے گزرے ہیں جن سے مسائل پوچھے گئے تو انہوں نے جواب دیا، ''میں نہیں جانتا'' لہٰذا مفتی کو چاہئے کہ ہر مسئلے کا جواب فی الفور دینے کی کوشش نہ کرے بلکہ جو مسئلہ معلوم نہیں اس کے بارے میں صاف کہہ دے کہ میں یہ مسئلہ نہیں جانتا، غور کر کے یا دیکھ کر یا کسی سے پوچھ کر بتاؤں گا۔ بزرگانِ دین کا یہی معمول رہا ہے۔ راقم الحروف یہاں اپنی تصنیف ''علم اور علماء کی اہمیت'' سے ایک اقتباس نقل کرتا ہے:

اگر مسئلہ معلوم نہ ہو تو بجائے اپنے اندازے سے جواب دینے کے اپنی

لاعلمی کا اظہار کر دینا چاہیے۔ہمارے اسلاف کرام کے دل چونکہ خوف وخشیتِ الٰہی سے لبریز ہوتے تھے اور انہیں معلوم تھا کہ حکمِ شریعت بتانا ایک نہایت ہی نازک کام ہے اس لئے جب تک مسئلہ یقینی طور پر معلوم نہ ہوتا تھا تب تک وہ مسئلہ ہرگز نہ بتاتے تھے بلکہ صاف اپنی لاعلمی کا اظہار کر دیتے تھے اور ہونا بھی یہی چاہیے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اس کی سخت جوابدہی کرنی پڑے گی۔بعض بزرگ فرماتے تھے کہ ہم اس وقت تک مسئلہ کا جواب نہیں دیتے جب تک یہ یقین نہ کرلیں کہ اگر اللہ تبارک وتعالیٰ کی بارگاہ میں ہم سے اس مسئلے کے بارے میں پوچھا گیا تو ہم اس کو یقین کے ساتھ بیان کرسکیں گے۔اب اسی حوالے سے بزرگانِ دین کا عمل دیکھیں کہ وہ مسئلہ معلوم نہ ہونے کی صورت میں کیا کیا کرتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے تھے ”اے لوگو! جو بات جانتے ہو وہی کہو، جو نہیں جانتے اس پر اللہ اعلم (اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے) کہا کرو، کیونکہ علم کا ایک خاصہ یہ بھی ہے کہ انسان جو بات نہیں جانتا اس سے لاعلمی کا اعتراف کرلے“۔

(جامع بیان العلم وفضلہ ج:2،ص:110 بیروت)

حضرت مجاہد رضی اللہ عنہ سے میراث کا ایک مسئلہ پوچھا گیا، تو کہنے لگے ”میں نہیں جانتا“ کہا گیا، آپ جواب کیوں نہیں دیتے؟ فرمایا ”حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو جو بات معلوم نہ ہوتی تو صاف صاف انہی لفظوں میں اقرار کرلیا کرتے تھے“۔

(اخلاق العلماء، ص:95،رقم:193)

حضرت ایوب سختیانی رحمۃ اللہ علیہ سے ایک مسئلہ پوچھا گیا، کہنے لگے اس بارے میں مجھے کوئی حکم معلوم نہیں۔ عرض کیا گیا اپنی رائے دے دیجئے، فرمانے لگے "میری رائے اس مسئلے تک پہنچنے سے قاصر ہے۔"

امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن نافع رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ایوب سختیانی رحمۃ اللہ علیہ سے ایک مسئلہ پوچھا، حضرت ایوب سختیانی رحمۃ اللہ علیہ خاموش رہے۔ عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا شاید آپ میرا سوال سمجھے نہیں؟ حضرت ایوب سختیانی رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا "سمجھ گیا ہوں" عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا پھر جواب کیوں نہیں دیتے؟ اس پر آپ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا "اس لئے کہ جواب معلوم نہیں۔"

(الفقیہ، ج2، ص:173,174)

خود امام مالک رضی اللہ عنہ کے متعلق حضرت عبدالرحمٰن بن مہدی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا "ایک دن مجلس جمی ہوئی تھی کہ ایک شخص نمودار ہوا اور کہنے لگا: اے ابو عبداللہ! میں آپ کی خدمت میں چھ مہینے کی کڑی منزلیں طے کر کے پہنچا ہوں میری قوم نے ایک مسئلہ دریافت کرنے کیلئے آپ کی خدمت میں بھیجا ہے۔ امام مالک رضی اللہ عنہ نے فرمایا "جو کچھ پوچھنا ہے پوچھو" اس نے مسئلہ پیش کیا تو دیر تک سوچتے رہے پھر فرمایا "میں اسے نہیں جانتا" سائل مبہوت ہو کر رہ گیا وہ تو یہ سمجھ کر آیا تھا کہ ایسے شخص کے پاس جا رہا ہوں جو سب کچھ جانتا ہے اب صاف جواب سن کر سناٹے میں پڑ گیا۔ پھر کہنے لگا، لیکن حضرت لوٹ کر اپنی قوم سے کیا کہوں گا؟ امام مالک رضی اللہ عنہ نے جواب دیا "ان سے کہنا کہ مالک نے مجھ سے کہا کہ تمہارے

مسئلے سے میں ناواقف ہوں۔"

(المدخل،ص:96،رقم:195)

عبدالرزاق راوی ہیں کہ امام مالک رضی اللہ عنہ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ قول بیان کیا"عالم جب لاادری کہنا بھول جاتا ہے تو ٹھوکریں کھانے لگتا ہے۔"

(اخلاق العلماء،ص:96،رقم:195)

عقبہ بن مسلم رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں، میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی صحبت میں چونتیس مہینے رہا اور برابر دیکھتا رہا کہ اکثر مسئلوں پر لا ادری کہہ دیا کرتے اور میری طرف مڑ کے فرماتے"تم جانتے بھی ہو یہ لوگ کیا چاہتے ہیں؟ چاہتے ہیں کہ ہماری پیٹھ کو جہنم تک اپنے لئے پل بنالیں۔"

(سنن دارمی،ج:1،ص:68,69،رقم:155)

حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے ایک مسئلہ پوچھا گیا،تو کہنے لگے"مجھے نہیں معلوم اور ہلاکت ہے اس کے لئے جو علم نہ رکھنے پر علم کا دعویٰ کرے۔"

(المدخل،ص:435,436،رقم 811)

ہر مسئلے کا جواب دینا

ہر مسئلے کا جواب دینا دانشمندی نہیں بلکہ یہ بات ذہن نشین رکھنی چاہیے کہ اگر چہ مسئلہ معلوم بھی ہو تب بھی ہر مسئلے کا جواب نہیں دینا چاہیے کہ بعض اوقات کسی مسئلے کا بیان کرنا مصلحت کے خلاف ہوتا ہے۔اس کی بہت سی صورتیں ہوتی ہیں بعض اوقات یہ ہوتا ہے کہ حقیقت حال وہ نہیں ہوتی جو بتائی جاتی ہے۔ایسی

صورت میں اگر مسئلے کا جواب دیں گے تو اس مسئلے کو کسی شخص کے خلاف غلط استعمال کیا جائے گا، اس چیز کا تجربہ مجھے بارہا ہو چکا ہے۔

اسی طرح کسی مشہور و معروف عالم یا کسی ادارے کے نام پر جواب نہ دیا جائے کہ بعض اوقات اس طرح بھی اس مسئلے کو غلط استعمال کیا جاتا ہے۔ اسی طرح کی اور بھی بہت سی صورتیں ہوتی ہیں کہ جن میں جواب نہ دینا بہتر ہوتا ہے۔

اسی لئے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے "جو کوئی ہر مسئلے میں فتویٰ دیتا ہے دیوانہ ہے۔"

(جامع بیان العلم وفضلہ، ج:2، ص:118 بیروت)

اعمش کہتے ہیں، میں نے یہ قول حکیم بن عیینہ کو سنایا تو کہنے لگے "یہ بات میں نے پہلے سن لی ہوتی تو اتنے بہت فتوے نہ دیتا۔"

(سنن دارمی، ج:1، ص:73، رقم:171)

سفیان بن عیینہ کا مقولہ ہے "فتوے پر جو جتنا زیادہ جری ہوتا ہے اس کا علم اتنا ہی کم ہوتا ہے۔"

(الفقیہ للخطیب، ج:2، ص:166)

ایسا فتویٰ دینا جس سے لوگ فتنے میں پڑیں

فتویٰ دینا اگرچہ ایک عظیم الشان کام ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ اس بات کا خیال رکھنا بھی ضروری ہے کہ کہیں مسئلہ بیان کرنے کی وجہ سے فتنہ نہ ہو لہٰذا عالم کو چاہیے کہ لوگوں سے ان کی عقلوں کے موافق کلام کیا جائے اور ایسے مسائل

ان کے سامنے بیان نہ کیے جائیں کہ جن کا بیان کرنا شرعاً ضروری نہ ہو لیکن ان کے بیان سے فتنے پیدا ہونے کا اندیشہ ہے جیسے بعض لوگوں کے بارے میں دیکھنے میں آیا ہے کہ وحدۃ الوجود اور اسی طرح تصوف کے دقیق مسائل عوام میں بیان کرتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بہت سے لوگ ان مسائل میں بغیر علم کے گفتگو کر کے اپنے ایمان سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں۔

اسی طرح بعض بداندیش اور بدخواہ قسم کے لوگوں کو دیکھا ہے کہ لوگوں کو شرعی مسائل کے ایسے ایسے حیلے بتاتے ہیں کہ جس کے نتیجے میں عوام جائز و ناجائز ہر جگہ حیلے کرتے ہیں۔ یوں ہی بعض عالم کہلانے والے لوگوں کو ایسے دقیق مسائل بیان کرتے ہیں کہ وہ بیان کردہ صورتیں اگرچہ جائز و حلال ہوتی ہیں مگر حرام کی صورتیں بھی ان کے بالکل ساتھ ہوتی ہیں اور پھر جب عام آدمی اپنی عقل سے فیصلے کرنے لگتا ہے تو نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ حرام کو حلال سمجھ کے کر رہا ہوتا ہے۔

اس سلسلے میں اکابر صحابہ و تابعین رضی اللہ عنہم کے یہ اقوال ملاحظہ فرمائیں:

قول نمبر1:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اپنے تلامذہ سے فرمایا کرتے تھے: ''لوگوں کی عقل سے زیادہ بات کہو گے تو کسی نہ کسی کے لئے فتنہ ضرور بن جائے گی۔''

قول نمبر2:

حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے اپنے صاحبزادے ہشام سے کہا ''جب کسی سے ایسی بات کہو گے جو اس کی عقل سے بالا ہے تو اس کے لئے گمراہی کا سبب بن

جائے گی۔"

(مقدمہ صحیح مسلم، ج:1، ص:11)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا "لوگوں سے وہی کہا کرو جو وہ سمجھ سکتے ہیں، ورنہ خدا اور رسول عزوجل وصلی اللہ علیہ وسلم کو جھٹلانے لگیں گے۔"

(صحیح بخاری، ج:1، ص:255، رقم:127)

قول نمبر 3: ابوالطفیل کا بیان ہے کہ میں نے امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کو منبر پر فرماتے سنا "لوگو! کیا تم چاہتے ہو کہ خدا اور رسول عزوجل وصلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کی جائے؟ ایسی باتیں نہ بیان کرو جن سے لوگ مانوس نہیں۔"

(صحیح بخاری، ج:1، ص:255، رقم:127)

قول نمبر 4:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث سے میں نے دو ظرف بھرے تھے، ایک انڈیل چکا ہوں یعنی تمہیں بتا چکا ہوں جبکہ دوسرا باقی ہے اسے بھی انڈیلوں (بتاؤں) گا تو تم میری گردن اڑا دو گے (یعنی وہ علم عام لوگوں کے سامنے بیان کرنا جائز نہیں۔)"

(طبقات ابنِ سعد، ج:2، ص:362)

قول نمبر 5:

حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے: "خدا کے بدترین بندے وہ ہیں جو فتنہ انگیز مسائل ایجاد کر کے بندگانِ خدا کو فتنوں میں ڈالتے ہیں۔"

(المدخل، ص:230، رقم 307)

فتویٰ کے آداب

مفتی کو چاہئے کہ جب اس منصب عظیم پر بیٹھنے کا ارادہ کرے تو مندجہ ذیل آداب کو ہمیشہ ملحوظ رکھے

(1) مفتی فضول کاموں سے بچے اور پسندیدہ کام اختیار کرے۔

(2) مفتی فتویٰ لکھنے کی یعنی تحریر و کتابت کی اُجرت لے سکتا ہے نفس فتویٰ کی اُجرت نہیں لے سکتا اس کا مطلب یہ ہے کہ کاغذ پر اُتنی عبارت کسی دوسرے سے لکھواؤ تو جو کچھ اس کی اُجرت عرفاً دی جاتی ہے وہ مفتی بھی لے سکتا ہے کیونکہ مفتی کے ذمہ زبانی جواب دینا واجب ہے لکھ کر دینا واجب نہیں مگر اُجرت تحریر لینے سے بھی اگر مفتی پرہیز کرے تو یہی بہتر کہ خواہ مخواہ لوگوں کو چہ میگوئی کرنے کا موقع ملے گا۔ لوگ یہ کہیں گے کہ فتوے کی اُجرت لی اور فلاں شخص روپیہ لے کر فتوے دیتا ہے وغیرہ وغیرہ اس سے نظر عوام میں فتوے کی بے وقعتی ہوتی ہے اور مفتی کی بھی بے عزتی ہے اور علماء کو خصوصیت کے ساتھ ایسی باتوں سے احتراز کرنا چاہئے خصوصاً اس زمانہ میں کہ جاہل مولویوں نے اس قسم کے رکیک افعال کر کے علماء کو بدنام کر رکھا ہے ان کے افعال کو علماء کے افعال قرار دیکر طبقۂ علماء کو بدنام کیا جاتا ہے۔

(بہارِ شریعت حصہ 14)

(3) مفتی فسق اور خلافِ مروت کاموں سے اجتناب کرے بیدار مغز ہو۔

(4) فتویٰ میں تساہل یعنی سستی سے کام لینا حرام ہے یعنی ایسی سستی کہ

جس سے حلال وحرام میں فرق کرنے میں زیادہ محنت نہ کی جائے اور نتیجے کے طور پر حرام وحلال مل جائیں۔

(5) تساہل یعنی سستی کی ایک صورت یہ ہے کہ مسئلے میں غور وفکر کئے بغیر فورا فتوی دیدے۔ اگر کسی مسئلے کی پہلے سے تحقیق ہے اور وہ مسئلہ پوچھا گیا اور فورا جواب دیدیا تو کوئی حرج نہیں لیکن اگر مسئلے کا اچھی طرح علم نہیں اور بغیر تحقیق اور غور وفکر کئے اپنے اندازے سے فورا جواب دیدیا تو یہ ناجائز ہے۔

(6) تساہل یعنی سستی کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ اغراض فاسدہ کی وجہ سے مفتی حرام یا مکروہ حیلوں کو تلاش کرے اور جس شخص سے نفع حاصل کرنا ہے اسے رخصتیں دے اور جس سے کوئی مخالفت ہے اسے سخت احکام بتائے یا مسئلے کی سخت صورتیں اس کیلئے نکالے۔

مفتی کب فتوی دے؟

اس سلسلے میں امام مالک علیہ الرحمۃ کے اس قول پر غور فرمائیں۔ آپ فرماتے ہیں: میں نے اس وقت تک فتوی نہیں دیا جب تک ستر فقہاء کرام نے مجھے گواہی نہ دی کہ میں فتوی دینے کا اہل ہوں۔

ایک دوسری روایت میں امام مالک فرماتے ہیں: میں نے اس وقت تک فتوی نہ دیا جب تک میں نے اپنے سے زیادہ صاحب علم سے نہ پوچھ لیا کہ کیا وہ مجھے فتوی دینے کا اہل سمجھتے ہیں۔

امام مالک مزید فرماتے ہیں: کسی آدمی کیلئے مناسب نہیں کہ وہ اپنے

آپ کو کسی چیز کا اہل گمان کرے جب تک وہ اپنے سے زیادہ علم والے سے اس بارے میں پوچھ نہ لے۔

یہاں سمجھانے کیلئے ہم صدر الشریعہ، بدر الطریقہ مولانا امجد علی اعظمی علیہ الرحمہ کا ایک قول نقل کرتے ہیں۔ "(جن لوگوں پر حکومت کی طرف سے پابندی لگانا ضروری ہے ان میں سے ایک) جاہل مفتی ہے کہ لوگوں کو غلط فتوے دے کر خود بھی گمراہ و گنہگار ہوتا ہے اور دوسروں کو بھی کرتا ہے طبیب ہی کی طرح آج کل مولوی بھی ہو رہے ہیں کہ جو کچھ اس زمانہ میں مدارس میں تعلیم ہے وہ ظاہر ہے اول تو درس نظامی جو ہندوستان کے مدارس میں عموماً جاری ہے اس کی تکمیل کرنے والے بھی بہت قلیل افراد ہوتے ہیں عموماً کچھ معمولی طور پر پڑھ کر سند حاصل کر لیتے ہیں اور اگر پورا درس بھی پڑھا تو اس پڑھنے کا مقصد صرف اتنا ہے کہ اب اتنی استعداد ہو گئی کہ کتابیں دیکھ کر محنت کر کے علم حاصل کر سکتا ہے ورنہ درس نظامی میں دینیات کی جتنی تعلیم ہے ظاہر کہ اس کے ذریعہ سے کتنے مسائل پر عبور ہو سکتا ہے مگر ان میں اکثر کو اتنا بیباک پایا گیا ہے کہ اگر کسی نے ان سے مسئلہ دریافت کیا تو یہ کہنا ہی نہیں جانتے کہ مجھے معلوم نہیں یا کتاب دیکھ کر بتاؤں گا کہ اس میں وہ اپنی توہین جانتے ہیں اٹکل پچو جی میں جو آیا کہہ دیا۔ صحابہ کبار و ائمہ اعلام کی زندگی کی طرف اگر نظر کی جاتی ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ باوجود زبردست پایہ اجتہاد رکھنے کے بھی وہ کبھی ایسی جرات نہیں کرتے تھے جو بات نہ معلوم ہوتی اس کی نسبت صاف فرما دیا کرتے کہ مجھے معلوم نہیں۔ ان نو آموز مولویوں کو ہم خیر خواہانہ نصیحت کرتے ہیں کہ تکمیل درس نظامی کے بعد فقہ و

اصول وکلام وحدیث وتفسیر کا بکثرت مطالعہ کریں اور دین کے مسائل میں جسارت نہ کریں جو کچھ دین کی باتیں ان پر منکشف وواضح ہو جائیں ان کو بیان کریں اور جہاں اشکال پیدا ہو اس میں کامل غور وفکر کریں خود واضح نہ ہو تو دوسروں کی طرف رجوع کریں کہ علم کی بات پوچھنے میں کبھی عار نہ کرنا چاہئے۔"

(بہارِ شریعت حصہ 15 حجر کا بیان)

سوال میں احتیاطیں

مفتی جب سائل سے سوال وصول کریں تو اس میں مندرجہ ذیل احتیاط اپنے اوپر لازم کرے

(1) سوال سائل سے لکھوائیں۔ خود سوال نہ لکھیں۔

(2) سائل کے لکھے ہوئے سوالنامے والے کاغذ پر ہی جواب تحریر کریں۔ البتہ کمپیوٹر سے کمپوز کرکے دینے کی صورت میں سوالنامہ پر لکھا ہوا سوال بعینہ فتوی میں استفتاء کے جگہ نقل کریں۔

(3) سائل کو سوال لکھنے سے پہلے سمجھا دیں کہ مختصر الفاظ میں اپنی تمام صورتِ حال لکھ دے۔ اس کی حاجت اس لئے ہے کہ عموماً سائل بہت سی باتیں زائد از ضرورت لکھ دیتے ہیں۔ اگر پہلے ہی سے تنبیہ کردی جائے تو عموماً فائدہ ہوتا ہے۔

(4) سائل سے تصریح کروالیں کہ آپ کا لکھا ہوا سوال آپ کی اصل صورتِ حال کے مطابق ہے۔

(5) اگر سوال میں کوئی چیز وضاحت طلب ہو تو سائل سے معلوم کر کے اسی سے اضافہ کروائیں۔

(6) اگر سوال خط کے ذریعے آیا یا سوال کسی کا ہے اور لانے والا دوسرا ہے اور سوال ایسا ہے کہ اس میں کوئی بات مبہم ہے یا سوال کی صورت ہی سمجھ نہیں آرہی تو ایسے سوال کا ہرگز جواب نہیں دینا چاہئے بلکہ جو امور وضاحت طلب ہیں وہ معلوم ہونے پر ہی جواب دیا جائے۔ مبہم صورت میں جواب دینے کا نقصان یہ ہوتا ہے کہ جب سوال ہی معلوم نہیں تو جواب کس بات کا دیا نیز جواب دینے کے بعد سائل نے دوبارہ سوال بھیج دیا کہ میرا سوال اصل میں دوسرا تھا اور آپ نے کسی اور سوال کا جواب دیدیا ہے تو ایسی صورت میں نئے سرے سے مشقت کرنی پڑے گی۔

(7) سائل اگر ایک ہی مسئلے کی متعدد صورتیں دریافت کرے تو اس سے اس کی پیش آمدہ صورت کی تعیین کروالیں کیونکہ ساری شقیں بتانا عموماً خلافِ حکمت ہوتا ہے بلکہ امام ابوالحسن قابسی مالکی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: ھذا تعلیم للناس الفجور "یہ طریقہ لوگوں کو فسق و فجور سکھائے گا"

سائلین کو ترتیب سے جواب دینا

مفتی کو چاہئے کہ جس ترتیب سے لوگ سوال پوچھیں یا سوالات کی تحریر دیں اسی ترتیب سے انہیں جواب دے۔ ہاں کوئی جواب تحقیق طلب ہے تو اس کا جواب تاخیر سے بھی دے سکتے ہیں۔ یونہی مرد اور عورتیں سوال پوچھنے کیلئے جمع ہیں تو عورتوں کو پہلے جواب دے کر رخصت کردے۔ یونہی مقیم اور مسافر سوال پوچھنے کیلئے

حاضر ہیں تو مسافر کو جواب دے کر رخصت کر دے۔

اور اگر کوئی ایمر جنسی کی صورت نہ ہو تو ترتیب کے مطابق جواب دینا مناسب ہے اور اگر صوابدید پر جواب دیا جائے تو بھی غلط نہیں۔

مفتی سوال نہایت غور سے سمجھے

مفتی کی اہم ترین ذمہ داری ہے کہ سائل کا سوال نہایت غور سے سنے اور اگر سوال لکھا ہوا ہے تو اول تا آخر بغور پڑھے کیونکہ بارہا ایسا ہوتا ہے کہ سوال کا کچھ حصہ سنتے ہی مفتی یہ سمجھ لیتا ہے کہ پورے سوال کا علم ہو گیا لیکن حقیقت بات یہ ہے کہ اس کے کلام میں کہیں کوئی ایک آدھ لفظ یا جملہ ایسا ہوتا ہے جو تمام صورتِ حال کو تبدیل کر دیتا ہے۔ ایسی معمولی سی لاپرواہی پورے فتوے کو تبدیل کر دیتی ہے اور اس کا نتیجہ سائل کے حق میں بہت نقصان دہ ہوتا ہے۔ فتاوی میں طلبہ کی تربیت کے وقت یہ غلطی بکثرت دیکھنے میں آتی ہے۔

سوال میں اشکال نہیں رہنا چاہیے

سوال پڑھتے وقت اگر کسی بھی جگہ کوئی لفظ ابہام یا غلط فہمی پیدا کر رہا ہو اس کی مکمل وضاحت طلب کرے اور اس کو تبدیل کروائے۔ کبھی بھی سوال یا جواب میں ایسا لفظ باقی نہ رہنے دیں جس کی وجہ سے دو افراد اس کے دو علیحدہ مفہوم لے سکیں۔

کسی خاص شخص کے بارے میں فتوی

کسی خاص شخص کے بارے میں فتوی لکھنے میں بہت زیادہ احتیاط کی ضرورت ہوتی ہے کیونکہ فی زمانہ ایک دوسرے کے خلاف فتوے لینا یا غلط بیانی سے

کام لینا بہت عام ہے۔ نکاح، طلاق، امامت، خطابت، وراثت وغیرھا کے مسائل میں سینکڑوں مرتبہ کا تجربہ ہے کہ غلط بیانی سے کام لے کر لوگ فتوی حاصل کرتے ہیں اور بعد میں اس شخص کو بدنام کرتے ہیں اور بارہا کسی کے خلاف قانونی چارہ جوئی میں یا کسی پنچایت میں وہ فتوی استعمال کرتے ہیں۔ اس لئے مفتی کیلئے نہایت ضروری ہے کہ ان موجودہ حالات کو پیشِ نظر رکھے اور حتی الامکان معین شخص کے نام پر فتوی دینے سے اجتناب کرے۔ اس طرح کی صورتوں میں مفتی کو چند احتیاطیں کرنی چاہئیں:

(1) اگر دو فریقوں کا معاملہ ہے تو جب تک دونوں فریقوں کو بلا کر ان کی بات نہ سن لے تب تک فتوی نہ دے۔

(2) کوئی مشہور دینی یا دنیوی شخصیت ہے تو اس کے نام پر ہرگز فتوی نہ دے۔

(3) کسی مشہور سنی تنظیم کے خلاف فتوی نہ دے کہ بعض اوقات اس کے بارے میں بیان کردہ چیزیں غلط ہوتی ہیں اور بعض اوقات بیان کرنا نقصان دہ ہوتا ہے۔

(4) جہاں اس بات کا احتمال دیکھے کہ اس فتوے کا غلط استعمال ہوسکتا ہے وہاں ہرگز فتوی نہ دے۔

(5) اگر ایسی صورتِ حال پیش آئے کہ بہرصورت فتوی دینا ہی ہوگا تو ایسے مقام پر فتوے کے شروع میں یا آخر میں ایسے الفاظ کا استعمال کرے جس سے واضح ہوجائے کہ یہ کسی خاص آدمی کے بارے میں نہیں ہے مثلا یون لکھ دے کہ یہ فتوی سوال میں بیان کردہ صورت کے مطابق دیا گیا ہے۔ کسی خاص واقعے یا صورت

حال کے ساتھ اس کا کوئی تعلق نہیں۔

مفتی کا سائل کی حالت پر غور کرنا

مفتی کے لئے یہ بات نہایت اہم ہے کہ سائل کی حالت و کیفیت پر نظر رکھے اور اس کے مطابق فتوی دے۔ کیونکہ بعض اوقات ایک ہی مسئلے میں دو سائلوں کو دو انداز میں جواب دیا جاتا ہے۔ اس کی بہت سی صورتیں ہیں جنہیں ان مثالوں سے سمجھیں۔

مثال نمبر1:

سائل نوافل پر بہت زیادہ شدت کرنے والا ہے تو اسے نوافل کے بارے میں جواب دے کہ پڑھنا بہتر ہے اور نہ پڑھنا گناہ نہیں۔

مثال نمبر 2:

سائل نوافل بالکل نہیں پڑھتا تو اسے اس انداز میں فتوی دے کہ نوافل کی بہت اہمیت ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ و تابعین اور بزرگانِ دین نوافل کا بہت زیادہ اہتمام کرتے تھے، کیا معلوم کہ نوافل ہی ہماری بخشش کا ذریعہ بن جائیں۔

مثال نمبر3:

سائل طلاق کے مسائل پوچھ رہا ہے اور معلوم ہے کہ یہ بلاوجہ اپنی بیوی کو طلاق دیدے گا تو اسے طلاق کے ناپسند ہونے کا فتوی دیا جائے۔

مثال نمبر4:

سائل رشتے داروں سے تعلق توڑنے کے جائز ہونے کی صورتیں پوچھ رہا

ہے اور معلوم ہے کہ اسے بتائیں گے تو یہ ان کا غلط استعمال کرے گا تو ایسے آدمی کو صلہ رحمی کرنے اور قطع رحمی نہ کرنے کی آیات واحادیث بتائی جائیں۔

مثال نمبر 5:

سائل چرس، افیون وغیرہ کے استعمال کی جوازی صورتیں پوچھ رہا ہے اور معلوم ہے کہ سائل ان کا غلط استعمال کرے تو اسے ممنوع صورتیں ہی بیان کی جائیں۔

مثال نمبر 6:

سائل بکثرت بدگمانیاں کرنے والا ہے اور مفتی سے بدگمانیوں کی جائز صورتیں پوچھ رہا ہے۔ ایسے آدمی کو بدگمانی کی وعیدیں اور مذمتیں بیان کی جائیں۔

مذکورہ بالا صورتوں پر غور کرنے سے مزید سینکڑوں صورتیں سمجھ آجائیں گی کہ مفتی کو کہاں کیا جواب دینا ہے۔ اور حقیقت میں یہ تمام صورت اسی مسئلے کے ساتھ تعلق رکھتی ہیں جس کو ہم نے اس کتاب میں ذکر کیا ہے کہ مفتی کا اپنے زمانے کے لوگوں سے واقف ہونا بہت ضروری ہے ورنہ وہ لوگوں کے حقوق ضائع کرے گا اور مخلوقِ خدا پر ظلم کا ذریعہ بنے گا۔

آیئے اس سلسلے میں حضرت عبداللہ ابن عباس کا طرزِ عمل دیکھیں، آپ کی خدمت میں ایک شخص نے قاتل کی توبہ مقبول ہونے کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے فرمایا: قاتل کی کوئی توبہ نہیں۔ پھر ایک اور شخص نے سوال کیا تو آپ نے فرمایا: قاتل کی توبہ مقبول ہے۔ کسی نے پوچھا کہ دو سائلوں کو مختلف جواب کیوں دیا

گیا تو آپ نے فرمایا: پہلے شخص کی آنکھوں میں ارادۂ قتل دیکھا تھا تو اسے توبہ قبول نہ ہونے کا فتویٰ دیا اور دوسرا قتل کر کے آیا تھا تو اسے میں نے مایوس نہیں کیا۔

(آداب الفتویٰ للنووی 69)

یونہی بعض اوقات مفتی کو کسی فتوے میں شدت اختیار کرنی پڑتی ہے اور کسی میں نرمی تو جہاں جیسا موقع مناسب سمجھے اس کے مطابق عمل کرے۔ مثلاً سختی کی جگہ پر اس طرح کے الفاظ استعمال کرے جبکہ حقیقتِ حال بھی ایسی ہی ہو۔

''اس پر تمام مسلمانوں کا اجماع ہے۔''

''مجھے نہیں معلوم کہ اس مسئلہ میں کسی نے اختلاف کیا ہو۔''

''جس نے اس مسئلے کا خلاف کیا اس نے واجب کا خلاف کیا۔''

''حکمرانوں پر لازم ہے کہ اس مسئلہ پر عمل کروائیں اور اس میں کسی قسم کی چھوٹ نہ دیں۔''

اس کی مثال کے طور پر آپ فتاوی رضویہ کے ان دو فتووں کا مطالعہ کریں کہ یہاں سوال میں بیان کردہ امر کے بارے میں کس طرح شدید انداز اور الفاظ میں فتویٰ تحریر فرمایا گیا ہے۔

پہلا فتویٰ

سوال یہ ہوا کہ مسجد کی چھت پر دکانیں بنائی جائیں اور اس مسجد کا کچھ حصہ کاٹ کر جوتے اتارنے کی جگہ بنا دی جائے اور مسجد کی کچھ جگہوں کو مسجد سے خارج کر دیا جائے تو کیسا ہے؟

الجواب

وہ چھت مسجد ہے اسے مسجد سے توڑ کر دکان میں ڈال دینا ایک حرام اور اسے بالا خانہ حجرہ کا صحن وگزرگاہ کردینا دوسرا حرام، اور اسے کرایہ پر اٹھا دینا تیسرا حرام، اور اس کی آبچک کے لئے مسجد کا ایک اور حصہ توڑ لینا محدود کردینا اور اس میں وضو ہونا چوتھا حرام۔ غرض یہ افعال حرام در حرام حرام در حرام ہیں۔ فرض ہے کہ ان تمام تصرفات باطلہ کو رد کر کے مسجد مثل سابق کردیں۔

درمختار میں ہے:

"لوبنی فوقه بیتاللامام لایضر لانه من المصالح امالوتمت المسجدیة ثم اراد البناء منع ولو قال عنیت ذلك لم یصدق تاتارخانیه فاذاكان هذافی الواقف فكیف لغیره فیجب هدمه ولو علی جدارالمسجد ولایجوز اخذالاجرة منه ولاان یجعل شیئامنه مستغلا ولاسكنی بزازیة"

ترجمہ: اگر واقف نے مسجد کی چھت پر امام کا حجرہ بنادیا تو جائز ہے کیونکہ یہ مصالح مسجد میں سے ہے مگر تمام مسجدیت کے بعد اگر وہ ایسا کرنا چاہے تو اسے منع کیا جائیگا اگرچہ وہ کہے کہ میں نے شروع سے اس کی نیت کی تھی اس کی تصدیق نہیں کی جائے گی تاتارخانیہ تو جب خود واقف کا حکم یہ ہے تو غیر واقف کو ایسا کرنے کا اختیار کیسے ہوسکتا ہے چنانچہ اس عمارت کو گرانا واجب ہے اگرچہ وہ دیوار مسجد پر بنائی گئی ہو اور اس کی اجرت لینا یا اس میں سے کسی حصہ کو ذریعہ آمدن یا رہائش گاہ جائز نہیں، بزازیہ۔

اسی طرح دوسرے سوال میں جو تصرف کیا گیا اور مسجد کے ایک حصہ کو مسجد سے خارج کر دیا گیا اور اسے جوتا اتارنے کی جگہ بنایا یہ بھی تصرف باطل ومردود وحرام ہے، اوقاف میں تبدیل وتغیر کی اجازت نہیں۔

"لایجوز تغیر الوقف عن هیأته"

ترجمہ: وقف کی ہیئت میں تبدیلی کرنا جائز نہیں۔

مسجد کہ بجمیع جہات حقوق العباد سے منقطع ہے۔

قال اللہ تعالٰی:﴿وان المسٰجد للہ﴾ اللہ تعالٰی فرماتا ہے: کہ بیشک مسجدیں اللہ عزوجل کی ہیں۔ یہاں بھی وہی حکم ہے کہ فوراً فوراً اس ظلم کی منڈیر کو دور کر کے زمین مسجد شامل مسجد کریں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

(فتاوی رضویہ جلد 16 صفحہ 415.417)

دوسرا فتوی

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس بارہ میں کہ

ایک مسجد شریف قدیم ٹھوس تھی اہل اسلام نے اس کو منہدم کرا کر مغرب کی جانب میں مسجد بنوائی اور مسجدِ قدیم کو اس کا صحن قرار دیا اور مسجدِ جدید اور صحن یعنی مسجد قدیم ہر دو کی کرسی بلند کی اور نیچے تہہ خانے بنائے اور مسجد قدیم کے تہہ خانے کے حصے کو مسجد کی دکانوں میں شریک کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اور اس صحن میں نماز پڑھنے والوں کو ثواب مسجد کا ملے گا یا نہیں؟ اور اگر یہ جائز ہے تو اس طرح مسجد جدید کے تہہ خانے کو بھی کرایہ پر دے سکتے ہیں یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب

مسجد مسجد ہو جانے کے بعد دوسرے کام کیلئے کرنا حرام حرام سخت حرام ہے ان پر فرض ہے کہ مسجد قدیم کا تہ خانہ بدستور سابق بند کردیں اور اب کہ مسجد جدید کو مسجد کر چکے اس کے تہ خانے کو بھی کرایہ پر دینا حرام ہے ہاں مسجد کردینے سے پہلے دکانیں وقفِ مسجد کیلئے بناتے اور اس کے بعد ان کی چھت کو مسجد کرتے تو جائز تھا، اب ہرگز حلال نہیں مسجد قدیم کو جدید کا صحن کرلیا اس میں حرج نہیں وہ بدستور مسجد ہے اور اس میں نماز مسجد میں نماز ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(فتاوی رضویہ جلد 16 صفحہ 503)

سائل پر نرمی کرنا

اگر سائل صحیح طریقے سے بات نہ سمجھا پائے جیسے بعض لوگ اپنی بات کو صحیح طریقے سے ادا کرنے کی طاقت نہیں رکھتے تو اس کا سوال صبر کے ساتھ سننا چاہئے۔ یونہی اگر سائل فوری طور پر جواب نہ سمجھ پائے جیسے بعض اوقات سائل کم فہم ہوتا ہے یا جواب مشکل ہوتا ہے تو ایسی صورت میں اس پر نرمی کرے اور آسان سے آسان انداز میں اس کو سمجھانے کی کوشش کرے۔ اس موقع پر صبر کرنا بہت بڑے ثواب کا ذریعہ ہے۔

سائل کی خیر خواہی

مفتی کو چاہیے کہ مسئلہ بیان کرنے میں صرف مسئلہ بیان کرنے پر ہی اکتفاء نہ کرے بلکہ اگر کسی جگہ مشورہ دینا مناسب ہو تو اچھا مشورہ بھی دے۔ مثلا

سائل اپنی بیوی کو تین طلاقیں دینا چاہتا ہے تو اسے صرف تین طلاقوں کا مسئلہ ہی بیان نہ کرے بلکہ اس کے ساتھ اسے تین طلاقوں کے نقصانات، خاندان کی اہمیت، مستقبل کے حوالے سے پیش آنیوالی صورتِ حال کے بارے میں بھی متنبہ کردے۔ یونہی اگر سائل نے کوئی بات کہی یا کوئی کام کیا ہے تو صرف اس کا حکم بیان نہ کرے بلکہ حتی الامکان اسے شریعت کے مطابق کوئی حل بھی بتادے۔

مفتی کا امر بالمعروف کرنا

مفتی کو صرف مسئلہ بیان کرنے پر اکتفاء نہیں کرنی چاہیے بلکہ جہاں مناسب سمجھے وہاں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ بھی سرانجام دے۔ مثلاً سائل سود یا کسی دوسرے گناہ کے بارے میں معلوم کررہا ہے تو احسن انداز میں اسے سود کی حرمت، اس کی وعیدیں اور اس کے نقصانات بھی بیان کرے تاکہ وہ اس سے باز آئے۔ یونہی سائل کوئی کفریہ جملہ کہہ دے یا لکھ دے تو معاذ اللہ! اللہ تعالیٰ کے بارے میں شکوہ وشکایت کرے تو اسے مفصل انداز میں اللہ کی عظمت، اس کی نعمتوں اور بندوں کی نافرمانیوں نیز کفر کی ہولناکیوں کے بارے میں قرآن وحدیث سے سمجھائے تاکہ وہ کفر سے توبہ کرلے۔

سائل اگر اپنی پریشانیاں بیان کرے تو اسے نماز، ذکر ودرود، دعا وغیرہ کی تلقین کرے۔ الغرض مفتی اپنے آپ کو صرف مسئلہ بیان کردینے والا نہ سمجھے بلکہ اس کے ساتھ ساتھ ایک باعمل مسلمان، مخلص دوست، خیرخواہ مبلغ کے طور پر بھی پیش کرے۔ ان تمام باتوں کو اگر عملی طور پر دیکھنا ہو تو فتاویٰ رضویہ شریف کا نہایت غور

کے ساتھ مطالعہ کریں۔ للّٰہیت ،اخلاص، مسلمانوں کی خیر خواہی، ان کے لئے دلسوزی، مسلمانوں کے عقائد کا تحفظ ،ان کی عملی حالت کو بہتر بنانے کی خواہش ،ان کا باہمی اتفاق، نیکی کا حکم اور برائی سے ممانعت کو کس طرح جگہ جگہ بیان کیا ہے۔

سوال سے زائد جواب دینا

بعض اوقات سائل ایک سوال کرتا ہے اور اس کے سوال کے ساتھ ایک اور جواب اسے دیا جاسکتا ہے تو مفتی کے لئے مناسب ہے سائل کے سوال کے جواب کے ساتھ ساتھ دوسرا مسئلہ بھی اسے بتادے کہ یہ ایک شرعی حکم سکھانا ہے اور مسلمان کے ساتھ خیر خواہی ہے جیسے نبی کریم ﷺ سمندر کے پانی سے وضو کرنے کے بارے میں سوال کیا گیا تو نبی کریم ﷺ نے جواب ارشاد فرمایا: ھو الطھور ماءہ والحل میتتہ ''اس کا پانی پاک کرنے والا ہے اور اس کا مردار حلال ہے''

امت پر آسانی پیدا کرنا

مفتی کے لئے ایک اہم بات یہ ہے کہ حدودِ شریعت کا لحاظ رکھتے ہوئے امت کیلئے آسانی پیدا کرے۔ اپنے فتوے کو نرمی، شفقت، بشارت اور انسیت کا ذریعہ بنائے نہ کہ فتوے کی وجہ سے لوگوں میں تشویش و تنفیر اور سختی و شدت پیدا کرے۔ مشتبہات کے بارے میں ایسے کلام نہ کرے جیسے حرام کے بارے میں کرتے ہیں اور مستحبات کے بارے میں ایسے کلام نہ کرے جیسے فرض کے بارے میں کرتے ہیں۔ اس سلسلے میں اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کے رسالہ ''الاحلیٰ من السکر'' کی یہ عبارت پیشِ نظر رکھے۔

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

''اے عزیز! مدارات خلق والفت وموانست اہم امور سے ہے۔

عن النبی صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم بعثت بمدارۃ الناس الطبرانی فی الکبیر عن جابر وقال صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم رأس العقل بعد الایمان باللّٰہ التحبب الی الناس الطبرانی فی الاوسط عن علی والبزار فی المسند عن ابی ھریرۃ والشیرازی فی الالقاب عن انس والبھیقی فی الشعب عنھم جمیعا رضی اللّٰہ تعالٰی عنھم۔

ترجمہ: نبی کریم ﷺ سے مروی ہے، فرمایا: ''مجھے لوگوں سے مدارات کے لئے بھیجا گیا ہے''۔ اسے طبرانی نے کبیر میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے بیان کیا۔ اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کے بعد عقل کا کمال انسانوں سے محبت کرنا ہے''۔ مگر جب تک نہ دین میں مداہنت نہ اُس کے لئے کسی گناہِ شرعی میں ابتلا ہو۔

قال اللّٰہ تعالٰی: ﴿لایخافون فی اللّٰہ لومۃ لائم﴾ وقال تعالٰی: ﴿لاتأخذکم بھما رأفۃ فی دین اللّٰہ﴾ وقال تعالٰی ﴿واللّٰہ ورسولہ احق ان یرضوہ ان کانوا مؤمنین﴾ وقال صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم: لاطاعۃ لاحد فی معصیۃ اللّٰہ انما الطاعۃ فی المعروف الشیخان و وابوداود والنسائی عن علی کرم اللّٰہ تعالٰی وجھہ وقال صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم: لاطاعۃ لمخلوق فی معصیۃ الخالق احمد الامام ومحمد الحاکم

عن عمران والحکم بن عمرو الغفاری رضی اللہ تعالٰی عنھم۔

ترجمہ: اللہ تعالٰی ارشاد فرماتا ہے: ''وہ اللہ تعالٰی کے بارے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈرتے''۔ اور ارشادِ خداوندی ہے: ''ان دونوں (زانی اور زانیہ) کے بارے میں تمہیں دینِ خداوندی میں نرمی نہیں کرنی چاہئے''۔ ارشادِ باری تعالٰی ہے: ''اور اللہ تعالٰی اور اس کا رسول اس بات کا زیادہ حق رکھتے ہیں کہ وہ (لوگ) انہیں راضی کریں اگر وہ ایمان دار ہیں''۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالٰی کی نافرمانی میں کسی کی اطاعت نہیں فرمانبرداری صرف نیک امور میں ہے''۔ اس حدیث کو امام بخاری، مسلم، ابوداؤد اور نسائی نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت کیا ہے۔ اور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ''خالق کی نافرمانی میں مخلوق کی اطاعت جائز نہیں''۔ اسے امام احمد اور محمد حاکم نے حضرت عمران اور حکم بن عمرو غفاری رضی اللہ عنہم سے روایت کیا۔

پس ان امور میں ضابطۂ کلیہ واجبۃ الحفظ یہ ہے کہ فعل فرائض و ترک محرمات کو ارضائے خلق پر مقدم رکھے اور ان امور میں کسی کی مطلقاً پروانہ کرے اور اتیان مستحب و ترک غیر اولٰی پر مدارات خلق و مراعات قلوب کو اہم جانے اور فتنہ و نفرت و ایذا و وحشت کا باعث ہونے سے بہت بچے۔ اسی طرح جو عادات و رسوم خلق میں جاری ہوں اور شرع مطہر سے اُن کی حُرمت و شناعت نہ ثابت ہو اُن میں اپنے ترفع و تنزہ کے لئے خلافی و جُدائی نہ کرے کہ یہ سب امور ایتلاف و موانست کے معارض اور مراد و محبوب شارع کے مناقض ہیں ہاں ہاں ہوشیار و گوش دار کہ یہ وہ

نکتۂ جمیلہ وحکمتِ جلیلہ وکوچۂ سلامت وجادۂ کرامت ہے جس سے بہت زاہدان خشک واہلِ تکشف غافل وجاہل ہوتے ہیں وہ اپنے زعم میں محتاط ودین دربنتے ہیں اور فی الواقع مغز حکمت ومقصود شریعت سے دور پڑتے ہیں خبردار ومحکم گیر یہ چند سطروں میں علم غزیر وباللہ التوفیق والیہ المصیر (یہ سب اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ہےاور اسی کی طرف رجوع کرنا ہے۔)

(فتاوی رضویہ جلد4صفحہ526.528)

عقائد کے دقیق مسائل پر جواب

بعض اوقات سائلین عقائد سے متعلق دقیق اور پیچیدہ مسائل پوچھتے ہیں ایسی صورت میں انہیں جواب دینے کی بجائے سمجھایا جائے کہ ان مسائل میں عوام کا پڑنا ان کے حق میں نقصان دہ ہے۔لہٰذا جو اسلامی عقیدہ ہے وہ سن لیں اور اس پر اعتقاد رکھیں لیکن کی اس تفصیلات اور باریکیوں میں نہ جائیں۔یہ آپ کیلئے نقصان دہ ہے جیسے کئی لوگ ''وحدۃ الوجود'' اور ''وحدۃ الشہود'' کے مسائل پوچھتے ہیں حالانکہ انہیں نہ اس کی حاجت اور نہ اس کے ساتھ ان کا کوئی عملی تعلق۔ایسی صورت میں انہیں جواب نہ دیا جائے اور یہ کہا جائے کہ اپنی ضرورت کے مسائل سیکھیں اور ان پر عمل کریں۔

یونہی بعض اوقات سائلین عقیدے کے مسائل کے متعلق دلائل پوچھتے ہیں جیسے علم غیب، حاضر وناظر وغیرھا اور ان کا مقصد ان دلائل کے ذریعے کسی کے ساتھ بحث کرنا ہوتا ہے۔ایسی صورت میں سائل کو سمجھا دیا جائے کہ عقیدہ یہ ہے اور

دلائل یہ ہیں لیکن آپ کا کسی کے ساتھ بحث کرنا جائز نہیں کہ بحث میں بہت سی باتیں ایسی سامنے آتی ہیں جو عام آدمی کو معلوم نہیں ہوتیں، اگر ان میں اپنی رائے سے کوئی جواب دو گے تو گمراہی تک پہنچ سکتے ہو نیز جب بحث کرو گے تو مدمقابل کے دلائل بھی سنو گے اور صحیح العقیدہ غیر عالم کے لئے بدمذہبوں کے دلائل سننے، پڑھنے کی اجازت نہیں۔

عقائد کے مسائل میں فتوی دینا

عقائد کا معاملہ نہایت نازک ہے۔ان مسائل میں جہاں بدمذہب لوگوں کو گمراہ کرتے ہیں وہاں تو صحیح عقیدہ بیان کیا جائے اور سمجھایا جائے لیکن جن مسائل کی حاجت نہیں ان میں کلام کرنے سے احتراز کریں۔خصوصاً صفاتِ باری تعالیٰ کی بحثیں، قرآن کے غیر مخلوق ہونے، تقدیر اور عقائد اختلافیہ کی بحثیں عوام کو فائدہ نہیں دیتیں بلکہ ان کیلئے الٹا نقصان دہ ہے۔یونہی بطورِ خاص متشابہات پر کلام کرنے سے بچے اور ان کے بارے میں سلف صالحین کا عقیدہ ہی بیان کرے۔

امام نووی علیہ الرحمۃ تحریر فرماتے ہیں: امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ سے کلام کے بارے میں کوئی سوال پوچھا گیا تو آپ نے جواب دیتے ہوئے تحریر فرمایا: ''اللہ کے کلام کے بارے میں غور و فکر کرنا کہ وہ حرف و آواز ہے یا نہیں ہے؟ یہ بدعت ہے اور ہر وہ شخص جو عوام کو اس مسئلے میں غور و فکر کی دعوت دیتا ہے وہ دین کے پیشواؤں میں سے نہیں ہے بلکہ وہ گمراہ کرنے والوں میں سے ہے اور اس کی مثال اس شخص کی طرح ہے جو تیرنے کا فن نہ جاننے والے بچوں کو سمندر میں تیراکی کرنے کی دعوت

دیتا ہے اور جو اپاہج معذور آدمی کو بغیر سواری کے خشکی کے میدانوں کے سفر کی دعوت دیتا ہے۔"

(آداب الفتوی للنووی 77)

فتوی دینے میں جانبداری

فتوی دینے میں کبھی بھی جانبداری نہ برتی جائے۔ اللہ تعالیٰ نے واضح طور پر حکم ارشاد فرمایا:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ بِالْقِسْطِ شُهَدَاءَ لِلَّهِ وَلَوْ عَلَى أَنفُسِكُمْ أَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ إِن يَكُنْ غَنِيًّا أَوْ فَقِيرًا فَاللَّهُ أَوْلَى بِهِمَا فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوَى أَن تَعْدِلُوا وَإِن تَلْوُوا أَوْ تُعْرِضُوا فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا﴾

ترجمہ کنز العرفان: اے ایمان والو! اللہ کے لئے گواہی دیتے ہوئے انصاف پر خوب قائم ہو جاؤ چاہے تمہارے اپنے خلاف یا والدین یا رشتے داروں کے خلاف ہی (گواہی) ہو۔ جس پر گواہی دو وہ غنی ہو یا فقیر بہر حال اللہ ان کے زیادہ قریب ہے تو خواہش کے پیچھے نہ چلو کہ عدل نہ کرو۔ اگر تم ہیر پھیر کرو یا (گواہی سے) منہ پھیرو تو اللہ کو تمہارے کاموں کی خبر ہے۔

(سورہ نساء 135)

مزید فرمایا:

﴿إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَن تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَى أَهْلِهَا وَإِذَا حَكَمْتُم

بَيْنَ النَّاسِ أَن تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ إِنَّ اللَّهَ نِعِمَّا يَعِظُكُم بِهِ إِنَّ اللَّهَ كَانَ سَمِيعًا بَصِيرًا﴾

ترجمہ کنز العرفان: بیشک اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں جن کی ہیں ان کے سپرد کرو اور یہ (حکم دیتا ہے) کہ جب تم لوگوں میں فیصلہ کرو تو انصاف کے ساتھ فیصلہ کرو بیشک اللہ تمہیں کیا ہی خوب نصیحت فرماتا ہے، بیشک اللہ سننے والا دیکھنے والا ہے۔

(سورہ نساء 58)

جانبداری کی بنیاد پر فتوی دینے کے بہت سے اسباب ہو سکتے ہیں۔ دوستی، رشتے داری، مالی نفع، دنیوی فائدہ، محبت یا نفرت وغیرھا۔ مفتی پر فرض ہے کہ اس طرح کی کسی بات کی وجہ سے فتوی میں تغیر نہ آنے دے۔ مفتی کو ایسا ہونا چاہیے جیسا اللہ عزوجل نے ارشاد فرمایا ہے:

﴿ أَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ أَعِزَّةٍ عَلَى الْكَافِرِينَ يُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلَا يَخَافُونَ لَوْمَةَ لَائِمٍ ﴾

ترجمہ کنز العرفان: مسلمانوں پر نرم اور کافروں پر سخت ہیں، اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہیں اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈرتے۔

(سورہ مائدہ 54)

لہٰذا مفتی کو نہ کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پرواہ کرنی چاہیے اور نہ کسی کے تعلقات اس کے آڑے آئیں۔ ایسا نہ ہو کہ تعلق والے کو مسئلہ نرم انداز میں

اور بالکل ہلکا کر کے بیان کیا جائے اور عام آدمی یا کسی مخالف کے بارے میں زبان اور قلم کو سخت کرلیا جائے۔ یونہی کسی بھی شرعی مسئلے میں کسی فرد یا جماعت کے ساتھ مفتی کی وابستگی اسے حق بیان کرنے سے مانع نہ ہو۔ آیئے اس سلسلے میں امام اہلسنت، مجددِ دین وملت مولانا شاہ امام احمد رضا خان علیہ الرحمۃ کا ایک فتوی دیکھیں کہ انہوں نے ایک جلیل القدر عالم اور اپنے قریبی دوست کے غلط فتوے اور فیصلے پر اپنا ردِ عمل کس طرح ظاہر کیا اور اس بارے میں ان کے ساتھ اپنے تعلقات کو کس طرح ایک جانب رکھ دیا چنانچہ آپ اپنے اس دوست کے بارے میں پوچھے گئے سوال کے جواب میں سائل کو ارشاد فرماتے ہیں:

''انکشافِ حق جس کے لئے ہر مسلمان کو مستعد رہنا چاہیے، لاسیما اہل علم۔ جوابات نہ تو کافی ہیں نہ مفید براءت اگرچہ مجھ سے صرف برتقدیر صدق مستفتی جواب چاہا گیا اور منصب افتا کی اتنی ہی ذمہ داری تھی کہ صورت مستفسرہ پر جواب دے دیا جاتا مگر میں نے ایک مدت تک تعویق (تاخیر) کی، اخبارات منگا کر دیکھے کہ نظر بواقعات اس کاروائی کی کوئی صحیح تاویل پیدا ہو سکے مگر افسوس کہ جتنا خوض وتفتیش سے کام لیا اس کی شناعت ہی بڑھتی گئی، ناچار جواب خلاف احباب دینا پڑا کہ اظہار حق لازم تھا، عالم مذکور سے مراسم قدیم حفظ حرمتِ اسلام ورفع غلط عوام پر بحمد اللہ تعالیٰ غالب نہ آسکتے تھے کہ ہمارے رب عزوجل نے فرمایا: ﴿یایھا الذین اٰمنوا کونوا قوامین بالقسط شھداء للہ ولو علی انفسکم﴾ اے ایمان والو! انصاف پر خوب قائم ہو جاؤ اللہ کیلئے گواہی دیتے، چاہے اس میں تمہارا اپنا نقصان ہو۔

بلکہ حقیقتاً حقِ دوستی یہی ہے کہ غلطی پر متنبہ کیا جائے۔ حدیث میں ارشاد ہوا:

اُنصُر اخاك ظالما او مظلوما قالوایارسول اللّٰہ و کیف ذٰلك قال صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم ان یك ظالما فارددہ عن ظلمہ وان یك مظلوما فانصرہ رواہ الدارمی وابن عساکر عن جابر بن عبداللّٰہ رضی اللّٰہ تعالٰی عنہما

ترجمہ: اپنے بھائی کی مدد کرو چاہے وہ ظالم ہو یا مظلوم، صحابہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی تعالٰی علیہ وسلم یہ کیسے؟ حضور نے فرمایا: ظالم ہونے کی صورت میں اسے ظلم سے روک دو اور مظلوم ہونے کی صورت میں اس کی مدد کرو۔ لہٰذا امید واثق ہے کہ جواب سوال میں اظہار حق سنگ راہ مراسم قدیمہ نہ ہوگا۔

(فتاوی رضویہ جلد16 صفحہ372.371)

جلد بازی میں فتوی نہ دیا جائے

جلد بازی میں کبھی بھی فتوی نہ دیا جائے کہ اس کی وجہ سے عموماً غلطی ہوجاتی ہے۔ ایک اچھا مفتی بننے کیلئے ضروری ہے کہ ہر مسئلے مین مکمل غور کرنے کے بعد جواب دے اور ہر مسئلے کو متعدد کتابوں سے دیکھ کر جواب دے۔ بعض اوقات سائل جلدی مچاتے ہیں۔ ان کے جلدی مچانے کی پرواہ نہ کرے اور اپنی کامل تسلی کے بعد ہی فتوی دے۔

امام سحنون بن سعید مالکی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں منقول ہے کہ ایک شخص کسی دور دراز کی جگہ سے آپ کے پاس مسئلہ پوچھنے آیا اور تین دن تک آکر پوچھتا رہا اور

آپ ہر مرتبہ اسے لوٹاتے رہے۔ جب اس نے جواب کیلئے زیادہ اصرار کیا تو آپ علیہ الرحمۃ نے ارشاد فرمایا کہ اے میرے بھتیجے! میں تیری اس بات کی وجہ سے اپنا گوشت اور خون جہنم کی آگ کے حوالے نہیں کر سکتا۔

(آداب الفتوی للنووی 60)

بلکہ فتاوی نوازل میں ہے کہ امام اعظم رضی اللہ عنہ بعض اوقات ایک ایک سال تک کسی مسئلے کا جواب نہ دیتے بلکہ غور کرتے اور آپ نے ارشاد فرمایا: ”آدمی کا غور و خوض کرنے کے بعد بھی جواب دینے میں خطا کر جانا اس سے بہتر ہے کہ بغیر سوچے سمجھے صحیح جواب دیدے۔“

اسی طرح امام ابن صلاح رحمۃ اللہ علیہ نقل فرماتے ہیں کہ: خلیل بن احمد فرماتے تھے کہ: ایک آدمی جلد بازی کرتے ہوئے مسئلے کا جواب دیتا ہے اور درست دیتا ہے تو میں اس کی مذمت کرتا ہوں اور ایک آدمی سوچ سمجھ کر جواب دیتا ہے اور غلط دیتا ہے تو میں اس کی تعریف کرتا ہوں۔

جواب لکھنے میں غور کرنا

جواب لکھتے ہوئے بھی چند باتوں کا خیال رکھنا ضروری ہے۔ ایک اہم بات تو یہ ہے کہ جب سوال پڑھ لیں تو ایک مرتبہ اسے اپنے ذہن میں زبانی دہرا لیں تا کہ سوال کا ہر پہلو ذہن میں تازہ ہو جائے پھر اس کا جواب سوچیں اور ہر مسئلے میں نئے سرے سے غور و فکر کریں نیز کسی بھی مسئلے کو آسان سمجھ کر غور و فکر کرنے میں کوتاہی نہ کریں کیونکہ زیادہ تر غلطیوں کی بنیاد یہی ہوتی ہے۔

بعض علماء نے فرمایا ہے کہ آسان مسائل میں بھی اتنا ہی غور وخوض کرے جتنا مشکل مسائل میں کرتا ہے تاکہ غور کرنے کی عادت رہے اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ یونہی کیا کرتے تھے۔ اسی طرح بہت سے سنی علماء مثلاً مولانا نور اللہ بصیر پوری علی رحمۃ اللہ علیہ کی سیرت میں بھی یہ لکھا ہوا ہے۔

امام سحنون بن سعید مالکی رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں کہ: مجھ سے کوئی مسئلہ پوچھا جاتا ہے اور میں اس مسئلے کو جانتا ہوں اور یہ بھی جانتا ہوں کہ وہ مسئلہ کس کتاب میں، کس ورق پر، کس صفحے پر اور کس سطر میں لکھا ہوا ہے لیکن اس کے باوجود میں اس ڈر سے (جلد) جواب نہیں دیتا کہ کہیں میرے بعد کوئی نااہل شخص فتوے دینے کی جرأت نہ کرے۔

(آداب الفتوی للنووی 59)

معیّن جواب دیا جائے

جواب دینے میں ایک اہم نکتہ یہ یاد رکھیں کہ سائل کو اس کے سوال کا معین جواب دیں۔ بہت ساری شقیں بنا کر نہ دیں اس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ سائل اپنی من پسند شق کو اختیار کرلے گا اور بقیہ کو چھوڑ دے گا یا اسے سمجھنے میں دقت ہوگی۔ نیز اگر مسئلے میں علماء کا اختلاف ہو تو سائل کو ایک قول بتائے۔ یہ نہ ہو کہ اسے کہے کہ اس مسئلے میں اختلاف ہے اور یہ دو جواب ہیں کیونکہ ایسا کرنے سے سائل کو سوائے حیرت کے اور کچھ ہاتھ نہ آئے گا۔

جواب مجمل نہ ہو

مفتی اس بات کا خیال رکھے کہ اس کا جواب مجمل اور مبہم نہ ہو جیسے وراثت

کا سوال آئے اور سائل کو کہے کہ ورثاء کو ان کے شرعی حصوں کے مطابق دیدیا جائے۔ یہ جواب مبہم ہے کیونکہ سائل کو کیا علم کہ ورثاء کا شرعی حصہ کیا بنتا ہے۔

یونہی زکوٰۃ کا مسئلہ پوچھا جائے تو جواب دیا جائے کہ اس میں شرعی مقدار کے مطابق زکوٰۃ ادا کی جائے۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ سائل کو ایسا جواب دیا جائے کہ جو اسے سمجھ آجائے اور وہ جواب وصول کرنے کے بعد یہ نہ کہے کہ حضرت! اس کا مطلب بھی سمجھادیں۔

مشکل الفاظ استعمال نہ کریں

مفتی کو چاہئے کہ فتوے میں مشکل زبان استعمال نہ کرے بلکہ عام فہم انداز میں آسان الفاظ میں جواب لکھے۔ ایسی اردو استعمال نہ کرے کہ سائل بعد میں عرض کرے کہ حضرت! اس کا ترجمہ بھی لکھ دیں۔

نیز مفتی کو چاہئے کہ اپنی زبان مثلاً اردو میں مہارت حاصل کرے اور اچھی زبان استعمال کرے کیونکہ عمدہ الفاظ پر مشتمل فتویٰ ایک خوشگوار اثر چھوڑتا ہے۔

حیاوالے الفاظ کا استعمال

مفتی کو چاہئے کہ فتوے میں ایسے شائستہ اور مہذب الفاظ استعمال کرے جن کو کسی مجلس و محفل یا خاندان والوں کے درمیان بیٹھ کر پڑھا جا سکے۔ ایسے سخت الفاظ استعمال نہ کرے کہ کسی جماعت کے درمیان بیٹھ کر پڑھنا مشکل ہو جائے۔ البتہ جہاں حکمِ شرعی کا بیان ہی سخت الفاظ کے بیان پر موقوف ہے وہاں بیان کرنے میں ہرگز کوئی حرج نہیں کہ بیان کی جگہ پر حق بیان کرنے سے حیا نہیں کرنی چاہئے۔

فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يَسْتَحْيِي أَن يَضْرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوضَةً فَمَا فَوْقَهَا﴾

ترجمہ کنز العرفان: بیشک اللہ اس سے حیا نہیں فرماتا کہ مثال سمجھانے کے لئے کیسی ہی چیز کا ذکر فرمائے مچھر ہو یا اس سے بڑھ کر۔

(سورۃ بقرۃ 26)

تحریری فتویٰ دینا

فتوے کا مطلب ہے ''کسی کے پوچھنے پر اسے مسئلے کا جواب دینا خواہ زبانی ہو یا تحریری''۔ تحریری جواب دینا ضروری تو نہیں لیکن بعض اوقات اس کی حاجت ہوتی ہے کہ کسی جگہ کا طریقہ کار ہی یہ ہوتا ہے کہ لکھ کر دیا جاتا ہے یا سائل کو وہ فتویٰ کورٹ یا پنچایت یا خاندان میں دکھانا ہوتا ہے۔ ایسی صورت میں لکھ کر فتویٰ دیا جائے تاکہ سائل کے کام آئے۔

فتویٰ شروع کرنے سے پہلے دعا

فتویٰ شروع کرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا کرے کہ اللہ تعالیٰ اسے درست جواب لکھنے کی توفیق عطا فرمائے اور غلطی سے محفوظ رکھے اور اسے اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے۔ مستحب ہے کہ شروع میں اعوذ باللہ، بسم اللہ، حمد، درود اور ''رب اشرح لی صدری'' والی دعا پڑھے۔ امام مکحول شامی اور امام مالک سے مروی ہے کہ یہ دونوں بزرگ فتویٰ سے پہلے لاحول شریف پڑھا کرتے تھے۔

جہاں سے جواب شروع ہو وہاں نمایاں کر کے ''جواب'' یا ''الجواب'' لکھ

دے اور آخر میں ''واللہ اعلم'' ''واللہ الموفق'' ''وباللہ التوفیق'' وغیرھا کے الفاظ لکھے۔

تحریری فتوے میں چند احتیاطیں

جب لکھ کر فتوی دیں تو اس میں چند احتیاطیں پیشِ نظر رکھیں۔

(1) ایک کاغذ پر ایک یا دو یا زیادہ سے زیادہ تین سوالوں کے جواب دیں۔ یہ نہ ہو کہ ایک کاغذ پر دس سوالات کے جوابات لکھے ہوئے ہوں۔

(2) جس ترتیب سے سوال ہوں اسی ترتیب سے جواب دیا جائے۔

صاف ستھرے انداز میں فتوی لکھنا

فتوی صاف ستھرے انداز میں لکھا جائے۔ الفاظ بھی اچھے ہوں اور اس کے ساتھ ساتھ لکھائی بھی خوشخط ہو۔ لائنیں سیدھی اور کشادہ ہوں۔ تنگ تنگ الفاظ یا لائنیں بنا کر نہ لکھیں۔ یونہی لکھنے میں ایک ہی قلم استعمال کیا جائے، یہ نہ ہو کہ کچھ فتوی نیلی روشنائی سے اور کچھ سیاہ سے ہو یا کچھ ایک طرح کے قلم سے اور کچھ دوسری قسم کے قلم سے۔ اس طرح کرنے سے فتوے میں کسی شریر کی طرف سے اضافہ کرنے کی گنجائش بڑھ جاتی۔ یونہی اگر کمپیوٹر پر کمپوز کر کے فتوی دیتے ہیں تو اس میں فونٹ، سائز، کلر وغیرہ تمام امور کا خیال رکھا جائے۔

تحریری فتوی میں ایک احتیاط

فتوے میں اول تا آخر کوئی ایسی جگہ نہیں چھوڑنی چاہئے جہاں کوئی اپنی مرضی سے کوئی لفظ داخل کر سکے۔ اس کی حاجت وہاں زیادہ ہے جہاں ہاتھ سے لکھ

کرفتوی دیا جاتا ہے۔

شوافع کے مشہور امام ابو حامد المروزی رحمۃ اللہ علیہ اس طرح کے ایک مسئلے کی وجہ سے اچھی خاصی آزمائش میں مبتلا ہوئے تھے۔اس بارے میں چند احتیاطیں یہ ہیں:

(1) جہاں سوال ختم ہو وہیں متصل ''الجواب'' لکھ کر جواب شروع کر دیں تا کہ سوال میں بعد میں کچھ اضافہ نہ ہو سکے۔

(2) بسم اللہ شریف کے بعد متصل سطر سے جواب شروع کر دیں کوئی سطر خالی نہ چھوڑیں۔

(3) جہاں جواب ختم ہو وہیں ''واللہ اعلم'' اور اس کے ساتھ نام لکھ دیں تا کہ معلوم ہو جائے کہ فتوی یہاں ختم ہو چکا ہے۔

(4) مہر یا دستخط فتوے کے آخر میں اس طرح لگائیں کہ مزید اضافے کی گنجائش نہ رہے۔

(5) فتوے کی ایک نقل یا فوٹو کاپی اپنے پاس ضرور رکھیں تا کہ بالفرض اگر کوئی شخص شرارت کرے تو بوقتِ ضرورت اپنے ریکارڈ سے نکال کر اصل فتوی دکھایا جا سکے۔

(6) سائل اگر سوال کے ساتھ کچھ ڈاکومنٹس (کاغذات) لائے تو ان کی بھی فوٹو کاپی کروا کر اپنے پاس محفوظ رکھنی چاہیے۔بعض اوقات فتاوی میں کورٹ کچہری تک کی نوبت آجاتی ہے وہاں پر ڈاکومنٹس کی فوٹو کاپی نہایت مفید ثابت ہوتی ہے۔

جواب سوال کے مطابق ہونا چاہیے

مفتی کو اس بات کا خیال رکھنا چاہیے کہ اس کا جواب سوال کے مطابق ہو۔

نہ تو یہ ہو کہ ایک تفصیل طلب سوال کا جواب نہایت مختصر دیدیا جائے اور نہ ہی یہ ہے کہ عام سے سوال پر ایک تفصیلی جواب دیدیا جائے۔

جواب میں بعض چیزوں کی کمی یا زیادتی کرنا

فتوی دینے میں بعض چیزیں ایسی ہوتی ہیں جن کا ذکر کرنا مناسب ہے اور بعض ایسی ہوتی ہیں جن کا ذکر نہ کرنا مناسب ہوتا ہے۔ ان باتوں کا خیال رکھنا چاہئے۔ مثلا وراثت کا مسئلہ پوچھا گیا تو یہ لکھنا مناسب ہے کہ "کفن دفن کے اخراجات، قرضوں کی ادائیگی اور بقیہ مال کی ایک تہائی تک وصیت پر عمل کرنے کے بعد کل مال کے اتنے اتنے حصے کئے جائیں گے" یعنی سوال وراثت کا کیا گیا ہے لیکن جواب میں جو چیزیں وراثت کی تقسیم پر مقدم ہیں ان کا بھی ذکر کر دیا کیونکہ ان کا ذکر کرنا مناسب ہے۔ جبکہ وراثت کے مسئلے میں ہی اگر یوں جواب دیا گیا کہ ورثاء میں اگر کوئی غلام یا قاتل یا کافر ہے تو انہیں وراثت سے خارج کر کے بقیہ ورثاء میں یوں وراثت تقسیم کی جائے گی۔ یہاں جواب میں غلام، قاتل اور کافر کا جو مسئلہ بیان کیا گیا یہ مسئلہ فی نفسہ درست ہے لیکن ہمارے عمومی ماحول کے مطابق اس کا بیان کرنا نامناسب ہے۔ بطورِ خاص مسئلہ ہی یہ پوچھا جائے تو ضرور جواب دیا جائے۔ یونہی اگر سوال میں کسی ایسے شخص کے بارے میں پوچھا گیا جو وراثت کا مستحق نہیں تو ورثاء کو ذکر کرنے کے ساتھ ساتھ محروم وارث کی بھی تصریح کر دے کہ اسے نہیں ملے گا۔

وراثت کے مسائل میں ایک اہم ہدایت

وراثت کے مسائل میں بیٹا بیٹی یا بھائی بہن کے متعلق سوال پوچھا جائے تو

یہ جواب نہ دیا جائے کہ دونوں میں للذکر مثل حظ الانثیین کے مطابق تقسیم
کردیں کیونکہ عام آدمی کو یہ بات بالکل سمجھ نہیں آئے گی بلکہ وضاحت کرکے بتائے
کہ مثلاً نو حصے بنتے ہیں جن میں چھ حصے بیٹے کو اور تین حصے بیٹی کو ملیں گے۔ البتہ
دلیل کے طور پر آیت لکھنا چاہے تو بہت اچھا ہے۔

جواب کتنا طویل ہو؟

جواب کتنا طویل ہونا چاہیے اس سلسلے میں مختلف بزرگوں کے مختلف انداز
ہیں مثلاً بعض بزرگ صرف ہاں یا نہیں یا جائز یا ناجائز کے الفاظ سے جواب دیتے
تھے جبکہ بعض علماء اکثر و بیشتر مسائل کا جواب نہایت مفصل دیتے ہیں۔ اس سلسلے
میں معتدل راستہ یہ ہے کہ جواب لکھنے میں مختلف پہلو سامنے رکھنا چاہئے۔ مثلاً اگر
کوئی عالم دین سوال کرنے والا ہے تو صرف دو لفظوں میں جواب نہ دیا جائے بلکہ
مفصل دلائل کے ساتھ جواب دیا جائے تاکہ اس کی تسلی ہو جائے جیسے فتاوی رضویہ
میں سینکڑوں مقامات پر یہ انداز اختیار کیا گیا ہے۔ اور اگر سوال کرنے والا عام آدمی
ہے تو اس کو ایک آدھ حوالے کے ساتھ جواب دیدیا جائے کہ اسے دو چار صفحوں پر
مشتمل دلائل لکھ کر دینے کا کوئی فائدہ نہیں جیسے فتاوی فیض الرسول کا انداز ہے۔

یونہی اگر کوئی معرکۃ الآراء مسئلہ ہے تو دلائل کے ساتھ جواب لکھا جائے
جیسے فتاوی رضویہ میں دو سو کے قریب رسائل اس کے طرح موجود ہیں یا فتاوی
امجدیہ، فتاوی ملک العلماء اور فتاوی نوریہ میں بعض مفصل رسائل اور فتاوی موجود
ہیں اور اگر کوئی عام سا مسئلہ ہو تو بہت سارے جزئیات جمع کرنے کا کوئی فائدہ نہیں۔

لہذا بلا وجہ جواب کو طویل نہ کرے اور نہ خواہ مخواہ کی منطق فلسفے کا استعمال کر کے مختلف شقیں بنائے اور ہر شق کا جواب دیتا رہے۔

مفتی جواب میں مناسب تنبیہات لکھ دے

مفتی کو چاہئے کہ سائل کی حالت اور سوال کے انداز پر نظر رکھے۔ بعض اوقات قرائن سے سمجھ آتا ہے کہ اس فتوے کا غلط استعمال ہو سکتا ہے۔ ایسی صورت میں مفتی ایسے جملے لکھ دے کہ غلط استعمال کرنے کا احتمال ختم ہو جائے جیسے لکھے کہ یہ جواب سوال میں بیان کردہ صورت پر دیا گیا ہے۔ کسی خاص شخص کے متعلق نہیں ہے۔ اگر اصل صورتِ حال اس کے مطابق نہ ہوئی تو یہ فتوی کوئی فائدہ نہ دے گا۔

اسی طرح یہ جملہ بھی مناسب ہے کہ "اگر سائل کا بیان حقیقتِ حال کے مطابق ہے تو شرعی حکم اس معاملے میں یہ ہے"

ضرورت ہو تو جواب دے بعض لوگوں کو خواہ مخواہ فتوی لینے کا شوق ہوتا ہے حالانکہ انہیں اس کی حاجت نہیں ہوتی۔ لہذا مفتی کیلئے مناسب ہے کہ جہاں ایسا احتمال دیکھے وہاں معلوم کر لے کہ آپ کو تحریری فتوی کی کیا حاجت ہے؟ اگر کوئی معقول وجہ بیان کر سکے تو جواب دے ورنہ تحریری جواب سے منع کر دے۔ یونہی بعض لوگ معاذ اللہ علماء کا امتحان لینے کیلئے سوال کرتے ہیں۔ اگر ایسی صورت ہو تو ہرگز جواب نہ دیا جائے اور ہو سکے تو سائل کو سمجھا دیں کہ یہ طریقہ کار غلط ہے اور علماء کو پریشان کرنے کیلئے مسائل پوچھنا حرام ہے۔

فتوی میں قرآن و حدیث کا استعمال

مفتی پر لازم نہیں کہ فتوی میں قرآن و حدیث کے دلائل بیان کرے۔ اس

کا اصل کام شریعت کے مطابق سوال کا جواب دینا ہے اور مفتی مقلد ہو تو سائل کے لئے اپنے امام یا اپنی فقہ کی مستند کتاب کا حوالہ دیدینا بھی کافی ہے لیکن ہمارا زمانہ چونکہ کافی بدل چکا ہے۔ اب لوگ حوالے مانگنے کا مطالبہ کرتے ہیں تو حوالہ دینا ضروری نہ ہونے کے باوجود حتی الامکان فتوی لکھنے میں جہاں اختصار کی حاجت نہ ہو وہاں قرآن وحدیث سے ضرور حوالے دیں۔ ہمارے زمانے کے حالات نہایت نازک ہیں۔ ایک سے بڑھ کر ایک گمراہ موجود ہے اور گمراہی پھیلانے کی کوشش کرنے والوں کی بھی کمی نہیں ہے اور ایسے تمام لوگ قرآن وحدیث ہی کو استعمال کرتے ہیں اس لئے ہمارے زمانے کا تقاضا یہ ہے کہ مفتی صرف فقہی کتابوں کے حوالے نہ دے بلکہ قرآن وحدیث سے بھی حوالے دے۔ اور اگر کوئی ایسا مسئلہ ہو جس کا جواب واضح طور پر قرآن وحدیث میں موجود ہے وہاں صرف قرآن وحدیث کا حوالہ دیدیں یا کم از کم پہلے قرآن وحدیث کا حوالہ دیں اور بعد میں فقہی کتابوں کا تو بہت بہتر ہے۔

اس طریقہ کار پر عبور حاصل کرنے کیلئے ضروری ہے کہ

اولا : تو قرآن پاک کا بغور مطالعہ کریں اور اس میں بطورِ خاص جو آیات فقہی احکام سے متعلق ہیں انہیں یاد کرے۔

ثانیا: یہ ہے کہ بہار شریعت میں ہر باب کے شروع میں اس باب سے متعلق آیات واحادیث بیان کی گئی ہیں ان کا اچھی مطالعہ کرے یا ان آیات واحادیث کو "امجد الاحادیث" نامی کتاب میں جمع کیا گیا ہے اس کتاب کو مطالعہ میں رکھے۔

ثالثاً: ان تفاسیر کا مطالعہ کرے جو فقہی آیات کے بارے میں لکھی گئی ہیں جیسے ''احکام القرآن للجصاص رازی'' اور ''تفسیراتِ احمدیہ''۔

رابعاً: یہ کریں کہ مختلف تفاسیر مثلاً نور العرفان اور خزائن العرفان وغیرہ کے آخر میں دی گئی اس طرح کی فہرستوں کا مطالعہ کریں۔ پانچواں کام یہ کریں کہ قرآن مجید کو سمجھ کر پڑھنے کو اپنا معمول بنالیں۔ اس سے قرآن کا فہم، قرآن کا علم اور قرآن کی برکت و روحانیت سب کچھ حاصل ہوگا۔

حدیث میں مہارت کیلئے کم از کم صحاحِ ستہ، مشکوٰۃ شریف اور ان کتابوں کی حنفی شروحات کا مطالعہ کریں نیز مصنف ابنِ ابی شیبہ اور مصنف عبدالرزاق بھی فقہ حنفی کے بڑے ماخذ ہیں۔

فقہی کتابوں میں متقدمین و متاخرین کی مشہور کتابوں مثلاً ہدایہ، مبسوط، بدائع الصنائع، فتاوی عالمگیری، فتاوی شامی، فتاوی رضویہ، بہارِ شریعت کا مطالعہ کرتے رہیں۔

یہاں ہم قرآن و حدیث سے مزین فتوی کی ایک مثال بیان کرتے ہیں تاکہ ایک مثال پیشِ نظر رہے:

فتاوی رضویہ سے مثال

امام اہلسنت فرماتے ہیں: حضرت حق جل وعلا نے ہمیں یہ تکلیف نہ دی کہ ایسی ہی چیز کو استعمال کریں جو واقع و نفس الامر میں طاہر و حلال ہو کہ اس کا علم ہمارے حیطۂ قدرت سے ورا۔

قال اللہ تعالیٰ:﴿ لایکلف اللہ نفسا الا وسعھا ﴾ ارشادِ باری تعالیٰ ہے "اللہ تعالیٰ کسی نفس کو اسکی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا"۔

نہ یہ تکلیف فرمائی کہ صرف وہی شے برتیں جسے ہم اپنے علم و یقین کی رُو سے طیب و طاہر جانتے ہیں کہ اس میں بھی حرج عظیم اور حرج مدفوع بالنص۔

قال تعالیٰ:﴿ماجعل علیکم فی الدین من حرج ﴾ وقال تعالیٰ:﴿یرید اللہ بکم الیسر ولا یرید بکم العسر ﴾ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "دین کے سلسلے میں تمہیں کسی حرج میں نہیں ڈالا"۔ اور فرمایا: "اللہ تعالیٰ تمہارے لئے آسانی چاہتا ہے اور تنگی نہیں چاہتا"۔

اے عزیز! یہ دین بحمد اللہ آسانی و سماحت کے ساتھ آیا جو اسے اس کے طور پر لے گا اس کے لئے ہمیشہ رفق و نرمی ہے اور جو تعمق و تشدد کو راہ دے گا یہ دین اُس کے لئے سخت ہوتا جائے گا۔ یہاں تک کہ وہی تھک رہے گا اور اپنی سخت گیری کی آپ ندامت اٹھائے گا۔

نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:

"ان الدین یسر ولن یشاد الدین احد الا غلبہ فسددوا وقاربوا وابشروا"

ترجمہ: بے شک دین آسان ہے اور ہرگز کوئی شخص دین میں سختی نہ کرے گا مگر وہ اس پر غالب آجائے گا پس ٹھیک ٹھیک چلو، قریب ہو جاؤ اور خوشخبری دو۔

(اخرجہ البخاری والنسائی عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

اور ایک روایت میں ہے:

"الدین یسر ولن یغالب الدین احد الاغلبه"

ترجمه: "دین آسان ہے اور کوئی شخص دین پر غالب آنے کی کوشش نہیں کرتا مگر وہ (دین) اس پر غالب آجاتا ہے"

واخرج احمد والنسائی وابن ماجة والحاکم باسناد صحیح عن ابن عباس رضی اللّٰہ تعالٰی عنهما عن النبی صلی اللّٰہ تعالٰی علیه وسلم: ایاکم والغلوفی الدین فانما هلك من کان قبلکم بالغلوفی الدین"

امام احمد، نسائی، ابن ماجہ اور حاکم نے صحیح سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنهما سے انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کیا "دین میں زیادتی کرنے سے بچو تم سے پہلے لوگ دین میں زیادتی کی وجہ سے ہلاک ہوئے۔"

واخرج احمد برجال الصحیح والبیهقی فی الشعب وابن سعد فی الطبقات عن ابن الادرع رضی اللّٰہ تعالٰی عنه عن النبی صلی اللّٰہ تعالٰی علیه وسلم: " انکم لن تدرکوا هذا الامر بالمغالبة "امام احمد نے صحیح روایوں کے ساتھ بیہقی نے شعب الایمان میں اور ابن سعد نے طبقات میں حضرت ابن الادرع رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "تم اس دین کو مغالبہ کے ساتھ ہرگز نہیں پاسکتے"۔ (یعنی جو حکم ملے اس پر عمل کرو خود مباح امور کو واجب قرار نہ دو)

واخرج احمد فی المسند والبخاری فی الادب المفرد والطبرانی فی الکبیر بسند حسن عن ابن عباس رضی اللّٰہ تعالٰی عنہما عن النبی صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم: "احب الدین الی اللّٰہ الحنیفیۃ السمحۃ" امام احمد نے اپنی مسند میں امام بخاری نے الادب المفرد میں اور طبرانی نے معجم کبیر میں سند حسن کے ساتھ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ کے ہاں پسندیدہ دین کامل وابستگی اور نرمی اختیار کرنا ہے"

واخرج ایضا ھؤلاء فیھا بسند جید عن محجن بن ادرع الاسلمی والطبرانی ایضا فی الکبیر عن عمران بن حصین وفی الاوسط وابن عدی والضیاء وابن عبدالبر فی العلم عن انس رضی اللّٰہ تعالٰی عنہم عن النبی صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم: "خیر دینکم ایسرہ" نیز انہوں نے اپنی کتب میں عمدہ سند کے ساتھ حضرت محجن بن ادرع اسلمی سے اور طبرانی نے کبیر میں عمران بن حصین سے اور اوسط میں نیز ابن عدی، ضیاء اور ابن عبدالبر نے علم کے بیان میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تمہارا بہترین دین وہ ہے جو سب سے زیادہ آسان ہو"۔

واخرج ابوالقاسم بن بشران فی امالیہ عن امیر المؤمنین عمر رضی اللّٰہ تعالٰی عنہ عن النبی صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم: "ایاکم والتعمق فی الدین فان اللّٰہ قد جعلہ سھلا" الحدیث۔ ابوالقاسم بن بشران نے اپنی امالی میں امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت

کیا، آپ نے فرمایا: دین کی گہرائی (باریکیوں) میں جانے سے پرہیز کرو اللہ تعالیٰ نے اسے آسان بنایا ہے۔ الحدیث

بلکہ صرف اس قدر حکم ہے کہ وہ چیز تصرف میں لائیں جو اپنی اصل میں حلال وطیب ہو اور اُسے مانع ونجاست کا عارض ہونا ہمارے علم میں نہ ہو لہٰذا جب تک خاص اس شے میں جسے استعمال کرنا چاہتا ہے کوئی مظنۂ قویہ حظر وممانعت کا نہ پایا جائے تفتیش وتحقیقات کی بھی حاجت نہیں مسلمان کو روا کہ اصل حل وطہارت پر عمل کرے اور یمکن ویحتمل وشاید ولعل کو جگہ نہ دے۔

فی الحدیقة: لاحرمة الامع العلم لان الاصل الحل ولایلزمه السؤال عن شئ حتی یطلع علی حرمته ویتحقق بها فیحرم علیه ح اھ ملخصا وفیها عن جامع الفتاوی لایلزم السؤال عن طهارة الحوض مالم یغلب علی ظنه نجاسته وبمجرد الظن لایمنع من التوضی لان الاصل فی الاشیاء الطهارة اھ حدیقہ میں ہے علم کے بغیر حُرمت نہیں کیونکہ اصل حلّت ہے اور انسان پر لازم نہیں کہ وہ کسی چیز کے بارے میں سوال کرے حتیٰ کہ اس کی حرمت پر مطلع ہو جائے اور یوں وہ اس کی تحقیق کر کے اب اپنے اوپر حرام کرلے، حدیقہ ملخصاً اور اسی میں جامع الفتاویٰ سے منقول ہے جب تک اس کو نجاست کا غالب گمان نہ ہو جائے حوض کی طہارت کے بارے میں سوال نہ کرے اور محض گمان کی بنیاد پر وضو کرنے سے نہ رُکے کیونکہ اشیاء میں اصل طہارت ہے۔

بلکہ خود سید المرسلین ﷺ سے مروی جب تم میں سے کوئی اپنے بھائی

مسلمان کے یہاں جائے اور وہ اسے اپنے کھانے میں سے کھلائے تو کھالے اور کچھ نہ پُوچھے اور اپنے پینے کی چیز سے پلائے تو پی لے اور کچھ دریافت نہ کرے۔

(فتاوی رضویہ الاحلی من السکر جلد 4صفحہ512.514)

فتوی میں مشاورت کرنا

فتوی لکھنے کے بعد سائل کو دینے سے پہلے بہتر ہے کہ کسی دوسرے صاحبِ علم کو چیک کروالیا جائے اگرچہ وہ شاگرد ہوں یا علم میں کم تر ہوں کیونکہ بعض اوقات شاگرد یا کم علم والے کا ذہن ایسے نکتے تک پہنچ جاتا ہے جہاں بڑے کا ذہن نہیں پہنچتا۔ ایسی صورت میں مشورہ لینا بہت مفید ثابت ہوتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اولین وآخرین میں سب سے زیادہ علم والے ہونے کے باوجود امت کی تربیت کیلئے بہت سے دینی امور میں صحابہ کرام سے مشورہ فرماتے تھے۔ یونہی اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مجتہد ہونے کے باوجود دیگر صحابہ کرام کو جمع کر کے ان سے مشورہ فرماتے۔

البتہ بعض مسائل ایسے ہوتے ہیں جن میں کسی دوسرے پر ظاہر کرنا مناسب نہیں ہوتا ہے یا جائز نہیں ہوتا یا کسی کا راز کھلتا ہے یا مشورہ کرنے میں فتنے کا اندیشہ ہے تو ایسی صورت میں مشاورت نہ کی جائے۔

پروف ریڈنگ

فتوی تحریر کرنے کے بعد پروف ریڈنگ کرنا نہایت ہی ضروری ہے۔ لکھتے

وقت غلطیاں باقی رہ جانا ایک عام مسئلہ ہے اور خصوصا جو لوگ فتوی کمپوز کرتے ہیں ان کیلئے تو فتوے کی پروف ریڈنگ کرنا نہایت ہی ضروری ہے کیونکہ کمپیوٹر میں غلطیوں کا امکان بہت زیادہ بڑھ جاتا ہے۔ پروف ریڈنگ تین اعتبار سے ہونی چاہیے:

(1) شرعی اعتبار سے کہ جائز کی جگہ ناجائز یا اس کے الٹ تو نہیں لکھ دیا گیا۔

(2) لفظی اعتبار سے کہ کہیں کسی لفظ کا کوئی حرف غلط یا آگے پیچھے تو نہیں لکھا گیا۔

(3) ادب کے اعتبار سے کہ اردو ادب کے اعتبار سے یہ جملہ درست ہے یا نہیں؟ یہ لفظ زائد تو نہیں؟ یا اس لفظ کی جگہ فلاں لفظ کا استعمال کرنا زیادہ بہتر ہے وغیرھا۔

یوں اگر تین اعتبار سے تین مرتبہ پروف ریڈنگ کریں گے تو غلطیاں کم سے کم ہوں گی۔

فتوے کے آخر میں نام لکھنا

فتوی کے آخر میں اپنا نام لکھے کیونکہ آج تک علماء کا یہی طریقہ چلتا آرہا ہے اور لوگوں کیلئے باعث اطمینان بھی یہی ہے کیونکہ بہت سارے علماء ایسے ہوتے ہیں کہ ان کا نام ہی سند ہوتا ہے اور بہت سے علماء کے نام پر ہی لوگ فتوی قبول کرتے ہیں۔ اگر نام نہ ہوگا تو کیا معلوم کہ فتوی کس نے لکھا؟ اور لکھنے والے کی علمی حیثیت کیا ہے؟ نیز بالفرض اس فتوے کے خلاف کسی نے فتوی دیا یا فتوی میں کوئی خطا ظاہر ہوئی تو اس متعلقہ مفتی سے رابطہ کیا جا سکتا ہے اور غلط فتوے سے رجوع کرنا جو فرض ہے اس حکمِ شرعی پر عمل کیا جا سکتا ہے۔ اگر کسی فتوی پر نام ہی نہ ہوگا تو رجوع

کس سے کروائیں گے نیز نام ہونے کی وجہ سے جب مفتی سے رجوع کیا جائے گا تو اسے اپنی غلطی کا بھی علم ہوگا اور آئندہ اس مسئلے کا درست جواب دے گا ورنہ جب غلطی کا علم ہی نہ ہوگا تو آئندہ بھی وہی غلط جواب جاری ہوتا رہے گا۔

(ملخص از آداب المفتی للنووی 64)

رسم المفتی کے چند اہم اصول

جو شخص کسی حکم شرعی پر عمل کرنا چاہتا ہے اس کیلئے لازم ہے کہ اس قول پر عمل کرے جسے اکابر علماء نے راجح قرار دیا ہو یونہی کسی دوسرے کو فتوی دینا چاہتا ہے اس کیلئے لازم ہے کہ اس قول پر فتوی دے جسے اکابر علماء نے راجح قرار دیا ہو لہذا کسی ضعیف اور مرجوح قول پر عمل کرنا یا فتوی دینا ہرگز ہرگز جائز نہیں۔ البتہ چند ایک صورتیں ایسی ہیں جن میں ضعیف اور مرجوح قول پر بھی عمل کرلیا جاتا اسے آئندہ ہم تفصیل سے بیان کریں گے۔ اس حکم پر فقہ حنفی، فقہ شافعی، فقہ مالکی اور فقہ حنبلی کے بڑے بڑے علماء کا اتفاق ہے۔ لہذا اس مسئلے کے برخلاف عمل کرنا ناجائز و حرام ہے کیونکہ دلائل کی روشنی میں جب ایک قول کو علماء نے مضبوط اور راجح قرار دیدیا ہو تو اس کے برخلاف قول پر عمل کرنا حقیقتاً اپنی خواہشِ نفسانی پر عمل کرنا ہے اور شرعی احکام میں شریعت کے حکم کے مقابلے میں اپنی خواہش پر عمل کرنا ناجائز و حرام ہے۔ راجح قول کے مقابلے میں مرجوح قول ایسے ہے جیسے وہ ہے ہی نہیں۔

فتوی کن کتابوں سے نہ دیں؟

جب یہ بات واضح طور پر معلوم ہوگئی کہ راجح قول پر ہی عمل کرنے اور فتوی

دینے کی اجازت ہے تو اب یہ جاننا بھی ضروری ہو گیا کہ وہ کون سی کتابیں ہیں جن میں راجح اقوال لکھے ہوئے ہیں تاکہ کتابوں کے حوالے سے غلطی نہ ہو۔ اس بارے میں یہ احتیاط پیش نظر رکھنا نہایت ضروری ہے کہ صرف ایک آدھ کتاب کو دیکھ کر کبھی بھی فتویٰ نہ دیا جائے کیونکہ کئی کتابیں ایسی ہوتی ہیں جن میں نہایت اختصار ہونے کی وجہ سے ان سے مکمل استفادہ مشکل ہے بلکہ ان کی شروحات دیکھنے کی حاجت ہوتی ہے بلکہ بعض اوقات ان کتابوں میں ائمہ دین کے اقوال نقل کرنے میں غلطی ہوتی ہے اور کبھی خود ان میں ضعیف اقوال لکھے ہوتے ہیں بلکہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ کتاب فقہ حنفی کی ہوتی ہے اور مسئلہ فقہ شافعی وغیرہ کا لکھا ہوتا ہے لہٰذا ان کتابوں کے مسائل کی تصدیق جب تک دوسری کتابوں سے نہ ہو جائے نیز ان کی شروحات کو نہ دیکھ لیا جائے تب تک ان سے فتویٰ نہ دیا جائے۔

ایسی کتابوں میں ''شرح النقایہ للقہستانی''، ''درمختار''، ''الاشباہ والنظائر''، ''السراج الوہاج''، ''کنز العباد''، ''فتاوی صوفیہ''، قنیہ، رحمانیہ، خزانۃ الروایات، مجمع البرکات، اور صاحب مجمع البرکات کی برہان، مجتبیٰ، جامع الرموز، شرح ابی المکارم اور شرح مسکین وغیرہ۔ جبکہ فتاوی طوری اور فتاوی ابن نجیم تو قابلِ اعتبار ہی نہیں۔

ہر مسئلے میں اس کے اصل ماخذ کو دیکھیں:

بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ ایک مسئلہ دس، بیس کتابوں میں منقول ہوتا ہے اور ان سب نے کسی ایک ہی کتاب سے وہ قول لیا ہوتا ہے جبکہ اس اصل کتاب میں وہ قول غلطی سے لکھا ہوتا ہے۔ ایسی صورت میں یہ خطا مسلسل ہوتی چلی آتی ہے۔ لہٰذا

ضروری ہے کہ جب ایک مسئلے کو کسی کتاب میں دیکھیں تو صرف اسی پر اکتفاء نہ کریں بلکہ اس کتاب میں مزید جس کتاب کے حوالے سے لکھا ہے اسے بھی دیکھیں اور اگر اس کتاب والے نے بھی آگے کسی کتاب کا حوالہ دیا ہوا ہو تو اس اگلی کتاب کو بھی دیکھیں تاکہ غلطی کا امکان ختم ہو جائے جیسے ایک مسئلہ فتاوی شامی میں فتاوی عالمگیری کے حوالے سے لکھا ہوا ہے تو اب صرف فتاوی شامی پر اکتفاء نہ کریں بلکہ فتاوی عالمگیری کو بھی دیکھیں۔ اب فتاوی عالمگیری میں وہ مسئلہ مبسوط یا ہدایہ کے حوالے سے مذکور ہے تو ان کتابوں کی طرف بھی رجوع کریں۔

یوں آخری ماخذ تک رسائی حاصل کرنے کی وجہ سے غلطی کا امکان نہایت کم ہو جائے گا۔

علماء نے اس طرح کی غلطیوں کی کئی مثالیں تحریر کی ہیں کہ کس طرح ایک مسئلہ غلط نقل ہوتا ہوا کہاں تک پہنچ گیا۔ اس کی ایک مثال ہم یہاں نقل کرتے ہیں۔

چنانچہ علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اصل مذہب میں طاعات پر اجارہ باطل تھا جیسا کہ ائمہ ثلاثہ (امام اعظم ابو حنیفہ، امام ابو یوسف، امام محمد رحمہم اللہ) سے اس پر اتفاق منقول ہے لیکن بعد میں آنے والے مجتہدین میں سے اصحابِ ترجیح و تخریج نے بعض طاعات پر اجارہ کے جواز کا قول کیا جیسا کہ تعلیمِ قرآن، امامت اور موذنی پر اجارہ کیونکہ پہلے دور میں ان منصبوں کی خدمت کرنے والوں کیلئے بیت المال سے وظائف مقرر تھے جو انکی ضروریاتِ زندگی کیلئے کافی ہوتے تھے لیکن بعد کے دور میں جب بیت المال نہ رہے یا جور ہے ان سے اصل مستحقین کے وظائف روک

دئے گئے تو ان مناصب کے اہل اشخاص اپنی ضروریاتِ زندگی کو پورا کرنے کیلئے
تجارت وغیرہ کرنے لگے جس کی وجہ سے ان مناصب کی وجہ سے ہونے والا دینی
فائدہ ضائع ہونے لگا تو پھر علماء نے ان پر اجارہ کے جواز کا قول کیا اور ان علماء کا یہ
قول ائمہ ثلاثہ کے قول کے مخالف نہیں بلکہ اگر ائمہ ثلاثہ بھی اس زمانہ میں ہوتے اور
اس صورتحال کو ملاحظہ کرتے تو وہ بھی یہی فتوی دیتے۔

مگر بعد میں آنے والے بعض مصنفین مثلاً صاحب سراج الوہاج وغیرہ
نے اصحابِ ترجیح وتخریج کے اس قول کو دیکھتے ہوئے یہ قول کیا کہ تلاوت قرآن پر
بھی اجارہ درست ہے اور اسے مفتیٰ بہ قول قرار دیا حالانکہ معاملہ ان پر الٹ گیا کیونکہ
مفتیٰ بہ تو تعلیمِ قرآن پر اجارہ کے جواز کا قول ہے نہ کہ تلاوتِ قرآن پر۔ پھر انکی
دیکھا دیکھی بعد میں آنے والے بہت سے مصنفین نے اسی قول کی پیروی کی اور اسی
قول کو اپنی کتب میں نقل کیا جبکہ یہ صریح خطا تھی۔

بلکہ انکے بعد آنے والے بعض مصنفین ان سے دو ہاتھ اور آگے بڑھ گئے
اور مطلقا طاعات پر اجارہ کے جواز کا قول کیا اور اسکو مفتی بہ بھی قرار دیا۔

اور بعض چار ہاتھ آگے بڑھ گئے اور انہوں نے مطلقا اسے متاخرین کا
مذہب قرار دیا اور ان میں سے بعض نے اس پر تفریع بٹھاتے ہوئے حج پر اجارہ کے
جواز کا قول کیا اور یہ تمام اقوال زبردست خطا ہیں اور ہر ایک اپنے سے پہلے والے
سے بڑھ کر غلطی پر ہے۔

حالانکہ متون، شروح اور فتاوی کا اس بات پر اتفاق ہے کہ مذکورہ طاعات

(تعلیمِ قرآن، امامتِ نماز وغیرہ) کے علاوہ دیگر تمام طاعات پر اجارہ باطل ہے اور جن طاعات میں جوازِ اجارہ کا قول کیا تو اسکی وجہ ضرورت ہے کیونکہ اگر مذکورہ کاموں میں جوازِ اجارہ کا قول نہ کیا جاتا تو دین کا ضائع ہونا لازم آتا۔

اور فقہاء نے ان مسائل کو جہاں ذکر کیا وہاں اسکی علت بھی صراحۃ بیان کر دی تو پھر یہ کہنا کیونکر ممکن ہوگا کہ صرف تلاوتِ قرآن پر اجارہ کا جواز متاخرین کا مذہب ہے حالانکہ تلاوتِ قرآن پر اجارہ میں مذکورہ علت بھی نہیں پائی جاتی کیونکہ اگر ایک زمانہ گزر جائے اور کوئی بھی کسی سے تلاوتِ قرآن پر اجارہ نہ کرے تو اس وجہ سے کوئی نقصان لازم نہیں آتا بلکہ نقصان تو اس پر اجارہ کرنے کی صورت میں لازم آتا ہے کیونکہ اس طرح قرآن ذریعۂ معاش اور ایک تجارتی پیشہ ہو کر رہ جائیگا کیونکہ ایسی صورت میں کوئی بھی قاری محض رضائے الٰہی عزوجل کے حصول کیلئے تلاوت نہ کرے گا بلکہ صرف حصولِ اجرت کی وجہ سے تلاوت کرے گا اور خالص ریا اسی کا نام ہے کیونکہ ریاکاری میں بھی عمل غیر اللہ کیلئے کیا جاتا ہے تو اس صورت میں قاری کو وہ ثواب کہاں سے حاصل ہوگا جسے مستاجر اپنے مردے کو پہنچانا چاہتا ہے۔

امام قاضی خان نے فرمایا: ذکر کے عوض اجرت لینا استحقاقِ ثواب سے محروم کر دیتا ہے۔ اور اسی کی مثل فتح القدیر میں مؤذن کے اجرت لینے والے مسئلہ میں ہے۔

اگر مستاجر کو معلوم ہو جائے کہ اس طرح پڑھوانے میں کوئی ثواب نہیں تو یہ

ایک کوڑی بھی اس پڑھنے والے کو نہ دے تو ایسے قراء ذکر اور قرآن کے وسیلہ سے حرام مال جمع کرتے ہیں حالانکہ لوگ اسے قرب کا ایک عظیم ذریعہ سمجھتے ہیں۔

اور یہ ایک سب سے بڑی برائی ہے جو تلاوتِ قرآن پر اجارہ کے جواز کے قول کی وجہ سے رُونما ہوئی اور اس کے علاوہ دیگر برائیاں تو بے شمار ہیں مثلاً: یتیموں کا مال کھانا انکے گھروں میں انکے چٹائیوں پر بیٹھنا، شور کی وجہ سے سونے والوں کی نیندیں حرام کرنا، طبلے بجانا، نوحہ وغیرہ گانا، مردوں عورتوں کا اختلاط اور اسکے علاوہ دیگر برائیاں جن کو میں نے اپنے رسالے (شفاء العليل وبل الغليل في بطلان الوصية بالختمات والتهاليل) میں تفصیلا بیان کیا ہے۔

(شرح عقود رسم المفتی ص53تا58)

مسئلہ بیان کرنے میں غلطی کرنے کی بنیادی وجہ

فتوی دینے والے سے عام طور پر غلطی اس وجہ سے ہوتی ہے کہ معلومات کی کمی اور مسائل پر گہری نظر نہ ہونے کی وجہ سے مفتی ایک آدھ کتاب میں مسئلہ دیکھ کر سمجھ لیتا ہے کہ یہی ہمارے امام کا مذہب ہے اور یہ سمجھ کر وہ اس کے مطابق فتوی دیدیتا ہے اور عام طور پر ایسے علماء کا کہنا یہ ہوتا ہے کہ ''ہم نے متاخرین علماء کے قول پر جو فتوی دیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ ان متاخرین علماء نے پہلے علماء کی کتابیں پڑھ کر ہی لکھا ہے۔'' ان علماء کی یہ بات حقیقت کے قریب تو ہے لیکن سو فیصد درست نہیں کیونکہ بارہا

ایسا ہوتا ہے کہ متاخرین کی کتابوں میں متقدمین کی کتابوں کے برخلاف لکھا ہوتا ہے جیسا کہ ہم نے اوپر علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے تحریر کیا ہے بلکہ ہمارے زمانے میں تو یہ معاملہ زیادہ سنگین صورت اختیار کر گیا ہے کیونکہ آج کل کمپوزنگ کی غلطیوں اور پروف ریڈنگ میں سستی کی وجہ سے "جائز" کی جگہ "ناجائز" اور "ناجائز" کی جگہ "جائز" لکھا جانا کوئی مسئلہ ہی نہیں ہے لہٰذا آج کل تو ایک آدھ کتاب پر اعتماد کر کے فتوی دینا نہایت خطرناک ہے۔ ضروری ہے کہ اصل ماخذ اور متعدد کتابوں سے مسئلے کا مطالعہ کیا جائے۔

نیز اس کے ساتھ ساتھ دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ بارہا ایسا ہوتا ہے کہ ایک کتاب میں ایک مسئلہ لکھا ہوتا ہے اور اس میں نہ کتابت میں غلطی ہے اور نہ نقل میں بلکہ اس کے ساتھ "وھو الصحیح" "وھو الاصح" "علیہ الفتوی" کے الفاظ بھی لکھے ہوتے ہیں لیکن اس کے باوجود اس قول پر فتوی دینا درست نہیں ہوتا ہے کہ کسی دوسرے امامِ ترجیح نے دوسرے قول پر فتوی دیا ہوتا ہے یا حالاتِ زمانہ کے بدلنے کی وجہ سے مسئلہ بدل چکا ہوتا ہے۔ اس کی ایک مثال ہم آپ کے سامنے بیان کرتے ہیں۔

چنانچہ علامہ شامی فرماتے ہیں: "لَا يُسْتَبْدِلُ الْعَامِرَ إِلَّا فِي أَرْبَعٍ (قَوْلُهُ: إِلَّا فِي أَرْبَعٍ) ـــ الرَّابِعَةُ: أَنْ يَرْغَبَ إِنْسَانٌ فِيهِ بِبَدَلٍ أَكْثَرَ غَلَّةً، وَأَحْسَنَ صُقْعًا فَيَجُوزُ عَلَى قَوْلِ أَبِي يُوسُفَ وَعَلَيْهِ الْفَتْوَى كَمَا فِي فَتَاوَى قَارِئِ الْهِدَايَةِ قَالَ صَاحِبُ النَّهْرِ فِي كِتَابِهِ إِجَابَةِ السَّائِلِ قَوْلُ قَارِئِ الْهِدَايَةِ وَالْعَمَلُ عَلَى قَوْلِ أَبِي يُوسُفَ مُعَارَضٌ مِمَّا قَالَهُ صَدْرُ الشَّرِيعَةِ، نَحْنُ لَا نُفْتِي بِهِ وَقَدْ

شَاهَدْنَا فِی الِاسْتِبْدَالِ مَا لَا یُعَدُّ وَیُحْصَی :فَاِنَّ ظَلَمَةَ الْقُضَاةِ جَعَلُوْهُ حِیلَةً لِاِبْطَالِ أَوْقَافِ الْمُسْلِمِین" آبادوقف کوتبدیل کرنا جائز نہیں صرف چار مقامات کے، جن میں ایک صورت یہ ہے کہ کوئی آدمی وقف کی قابلِ استعمال ومفید زمین لے کرزیادہ نفع والی زمین دینا چاہتا ہے تو امام ابو یوسف کے قول پر جائز ہے اور اسی پر فتوی ہے جیسا کہ قاریٔ الہدایہ میں ہے اور عمل امام ابو یوسف کے قول پر ہے اور یہ قول صدرالشریعہ کے اس قول کے مخالف ہے کہ ہم اس پر فتوی نہیں دیتے کیونکہ ہم نے تبدیلی وقف کے معاملہ میں بے شمار مفاسد کا مشاہدہ کیا ہے کیونکہ ظالم قاضی امام ابو یوسف کے قول کو حیلہ بناتے ہوئے مسلمانوں کے اوقاف کو باطل کرتے ہیں۔یعنی وقف کی آباد زمین کو اچھی زمین کے بدلے میں دیدینے کا فتوی موجود ہے لیکن اس کے باوجود ہمارے زمانے میں اس پر فتوی نہیں دیا جائے کیونکہ اس مین بہت زیادہ مفاسد ہیں۔

(فتاوی شامی کتاب الوقف جلد6صفحہ 588)

اسی سلسلے میں امام اہلسنت امام احمد رضا خان علیہ الرحمۃ الرحمٰن کا ایک فتوی بھی ملاحظہ فرمائیں۔

چنانچہ آپ فرماتے ہیں:اجماعِ متون جن کی عظمتِ مکان ابھی سُن چکے پھر اُن کا اِطباق واتفاق کیسا ہوگا ولہٰذا بارہا دیکھا ہے کہ علماء نے شروح وفتاوی کی بعض صریح تصحیحیں صرف اس بنا پر رَد کردی ہیں کہ متون اس کے خلاف پر ہیں۔

درمختار کی کتاب القسمۃ میں ہے:"قال فی الخانیة وعلیه الفتوی لکن

المتون علی الاول فعلیه المعول'' خانیہ میں فرمایا کہ فتوی اسی پر ہے لیکن متون پہلے قول پر ہیں تو اسی پر اعتماد ہوگا۔

دیکھو امام اجل قاضی خاں سامرجح (ترجیح دینے والا) اور علیہ الفتوی سالفظِ ترجیح جسے علما آکدالفاظِ تصحیح سے شمار کرتے ہیں بایں ہمہ کہا گیا کہ متون اول پر ہیں تو وہی معتمد ہے، امام کے نزدیک عصبات کے بعد ولایتِ نکاح ماں کو ہے۔ قہستانی شرح مختصر الوقایہ میں لکھا صاحبین کے نزدیک غیر عصبہ ولی نہیں، اور یہی ایک روایت امام سے ہے، پھر مضمرات شرح قدوری سے نقل کیا: وعلیہ الفتوی (اور اس پر فتوی ہے۔) مگر محققین نے نہ مانا کہ خلافِ متون ہے۔

بحر الرائق ونہر الفائق دونوں میں فرمایا: ''ماقیل من ان الفتوی علی الثانی غریب لمخالفته المتون الموضوعة لبیان الفتوی اھ'' جو کہا جاتا ہے کہ فتوی ثانی پر ہے یہ غریب ہے کیونکہ یہ متون کے مخالف ہے جو کہ فتوی کو بیان کرنے کے لئے وضع کئے گئے ہیں اھ

علامہ شامی نے ردالمحتار میں اسے نقل کر کے مقرر رکھا، کنوئیں سے نجاست نکلے اور وقتِ وقوع نہ معلوم ہو تو امام ایک یا تین دن سے تنجس مانتے ہیں اور صاحبین فی الحال۔ (امام صاحب فرماتے ہیں کہ کنواں ایک یا تین دن سے ناپاک مانا جائے گا جبکہ صاحبین فرماتے ہیں کہ جب نجاست نظر آئی تب سے ناپاک مانیں گے۔) صاحب محیط کہ ائمۂ ترجیح سے ہیں دربارۂ وضو غسل وعجین قولِ امام اور ان کے ماورا میں قولِ صاحبین اختیار کرتے اور وہ امام زیلعی تبیین الحقائق شرح کنز

الدقائق میں اسی تفصیل کو ھو الصحیح (یہی صحیح ہے۔) کہتے ہیں اور اسی پر بحرالرائق ومنح الغفار وتنویر الابصار ودرمختار میں جزم کیا، بااین ہمہ علامہ شامی رد کرتے اور عدمِ تسلیم کی پہلی وجہ یہی لکھتے ہیں کہ مخالف لاطلاق المتون قاطبۃ (یہ تمام متون کے اطلاق کے مخالف ہے۔)

حموی شرح اشباہ میں ایک مسئلے کی نسبت جس میں روایتِ ابی یوسف کو حاوی قدسی میں علیہ الفتوی اشباہ میں المصحح المعتمد کہا:

فرماتے ہیں: "مجرد دعوی الحاوی ان الفتوی علیہ لایقتضی انہ المصحح المعتمد فی المذھب کیف واصحاب المتون قاطبۃ والشروح ماشون علی قولھما (یعنی الطرفین) ومشی اصحاب المتون تصحیح التزامی علی ان مافی المتون والشروح مقدم علی مافی الفتاوی۔" حاوی کا صرف یہ دعوی کردینا کہ اسی پر فتوی ہے، اس سے یہ لازم نہیں آتا ہے کہ یہی تصحیح شدہ اور قابلِ اعتماد ہو، یہ کیسے ہوسکتا ہے جبکہ تمام متون اور شروح طرفین کے قول پر ہیں، اور تمام متون اس تصحیح کا التزام کیے ہوئے ہیں کہ متون وشروح کے مسائل فتاوی کے مسائل پر مقدم ہیں۔

(فتاوی رضویہ جلد 12صفحہ114.116)

اس طرح کی ایک صورت کو اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ نے قولِ صوری اور قولِ ضروری کی تقسیم کر کے بیان فرمایا ہے، چنانچہ فرماتے ہیں:

میں کہتا ہوں: وباللہ التوفیق، قول دو قسم کے ہیں، صوری اور ضروری۔ تو

(1) صوری وہ منقول قول ہے اور (2) ضروری وہ ہے جو کسی قائل کا قول نہ ہو خاص طور پر لیکن وہ قول ضمناً آگیا ہو، اور ضرورتاً اس کا حکم کیا گیا ہو، یعنی اگر اس خصوص میں وہ کلام کرتا تو یہ کلام کرتا اور بسا اوقات حکم ضروری حکم صوری کے مخالف ہوتا ہے، اور ایسی صورت میں ضروری غالب ہوتا ہے اور اگر اس صورت مین کوئی صوری کو اختیار کرے تو قائل کی مخالفت قرار پاتا ہے اور اس کو چھوڑ کر ضروری کی طرف آنا، اس کی موافقت اور اتباع کہلاتا ہے، مثلاً زید ایک نیک شخص ہے تو عمر نے اپنے خادم کو اس کی تعظیم و تکریم کا حکم دیا اور صراحت کے ساتھ کُھلم کھلا دیا اور باصرار و تکرار دیا اور وہ یہ پہلے کہہ چکا تھا کہ تم کسی فاسق کی تعظیم کبھی نہ کرنا، اب ایسا ہوا کہ کچھ عرصہ بعد زید فاسق ہوگیا، اب اگر اس شخص کے خادم پہلے نص کی وجہ سے اس کی تعظیم کریں تو گناہگار ہوں گے اور نہ کریں تو فرمانبردار ہوں گے اور اس قسم کی چیزیں اقوالِ ائمہ میں ہوتی ہیں اور اُن کے اسباب یہ ہو سکتے ہیں:

(1) ضرورت (2) حرج (3) عرف (4) تعامل (5) اہم مصلحت (6) فساد۔

اور یہ اسلئے ہے کہ ضرورتوں کا استثناء حرج کا دفع کرنا اور مصالح دینیہ کی رعایت جو زیادہ مفاسد سے خالی ہوں اور مفاسد کو دور کرنا، عرف کو اختیار کرنا اور تعامل پر عمل کرنا یہ ایسے شرعی قواعد کلیہ ہیں جو سب کو معلوم ہیں اور ائمہ یا تو ان کی طرف مائل ہیں یا ان کے قائل ہیں یا ان پر اعتماد کرتے ہیں، اگر کسی مسئلہ میں امام کی نص موجود ہو اور پھر یہ متغیرات پائے جائیں تو ہم قطعی طور پر یہ جان لیں گے کہ اگر

یہ امور حضور امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے عہد میں ہوتے تو آپ کا قول ان کے مقتضاء پر ہوتا نہ کہ اُن کے خلاف، تو ایسی صورت میں اُن کے ضروری قول پر عمل جو آپ سے منقول نہ ہو یہ آپ ہی کے قول پر عمل ہے، نہ یہ کہ آپ کے منقول قول پر جمود ہے، اور عقود میں اس قسم کے بہت سے مسائل گنائے ہیں اور بہت سے مسائل کیلئے اشباہ کا حوالہ دیا ہے اور فرمایا ہے کہ اِن تمام کے احکام زمانہ کے تغیرات کی وجہ سے بدل گئے ہیں یا تو ضرورت کی وجہ سے یا عرف کی وجہ سے اور یا احوال کے قرائن کے باعث اور فرمایا کہ ان میں سے کوئی چیز مذہب سے خارج نہیں کیونکہ اگر صاحب مذہب خود اس زمانے میں ہوتے تو یہی قول کرتے اور اگر یہ تغیر آپ کے زمانے میں واقع ہوتا تو وہ اس کے خلاف تصریح نہ کرتے، اسی نے مجتہدین فی المذہب کو جرأت دی ہے اور متأخرین صائب الرائے نے ظاہر مذہب کی کتب سے ثابت شدہ مذہب کی جو مخالفت کی ہے وہ اپنے زمانے کے اعتبار سے ہے، جیسے کہ خود انہوں نے اس کی تصریح کی ہے۔

(فتاوی رضویہ جلد 1 صفحہ 109.111)

فتوی نویسی کا اہم اصول

فقہ حنفی کا ایک اہم اصول یہ ہے جس پر احناف کے تمام علماء کا اتفاق ہے کہ فتوی ان مسائل کے مطابق دیا جائے گا جنہیں ''ظاہر الروایۃ'' کہا جاتا ہے۔ البتہ اگر کسی جگہ فقہ حنفی کے ائمہ ترجیح کہلانے والے مجتہدین کسی دوسرے قول پر فتوی دیں تو پھر ان کے مطابق ہی فتوی دیا جائے گا۔

مذکورہ بالا کلام کا مطلب سمجھنے کیلئے ذیل میں دی گئی گفتگو نہایت مفید ہے۔

فقہ حنفی کے مسائل کی اقسام

مسائل کی پہلی قسم:

پہلی قسم کو "مسائل الاصول" اور "ظاہر الروایۃ" کہتے ہیں۔ یہ وہ مسائل ہیں جو امام ابوحنیفہ، امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہم اللہ سے مروی ہیں اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی ان چھ کتابوں میں مذکور ہیں۔ (1) مبسوط (2) زیادات (3) جامع صغیر (4) جامع کبیر (5) سیر صغیر (6) سیر کبیر۔ ان کتابوں کو ظاہر الروایۃ اس لئے کہتے ہیں کہ یہ کتابیں امام محمد علیہ الرحمۃ سے متواتر سند یا مشہور سند کے ساتھ مروی ہیں۔

مسائل کی دوسری قسم:

دوسری قسم کو "مسائل النوادر" اور "نادر الروایۃ" کہتے ہیں۔ اس میں متعدد قسم کے مسائل داخل ہیں جن کی تفصیل یہ ہے:

(1) وہ مسائل جو امام محمد کی اوپر ذکر کردہ چھ کتابوں کے علاوہ دیگر کتابوں میں مذکور ہیں جیسے یہ کتابیں: (ا) کیسانیات (ب) ہارونیات (ج) جرجانیات (د) رقیات۔

(2) امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے دیگر شاگردوں کی کتابوں میں ذکر کردہ مسائل جیسے امام حسن بن زیاد کی "کتاب المجرد" امام ابو یوسف کے لکھوائے ہوئے مسائل پر مشتمل "کتاب الامالی" وغیرہ۔

(3) امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے دیگر شاگردوں کی وہ روایتیں جو تنہا انہوں نے بیان کی ہیں جیسے "ابن سماعۃ" اور "معلّی بن منصور" کی روایات۔

مسائل کی تیسری قسم:

تیسری قسم کو فتاوی اور واقعات کہتے ہیں۔ یہ وہ مسائل ہیں جن کے بارے میں ائمہ متقدمین کی طرف سے کوئی جواب منقول نہیں ہے اور بعد میں آنے والے مجتہدین نے اپنے اجتہاد سے ان مسائل کا جواب دیا۔ اس طرح کے مسائل کی تعداد بہت زیادہ ہے کیونکہ ہر زمانے میں نت نئے مسائل سامنے آتے رہتے ہیں۔ اس سلسلے کی سب سے پہلی کتاب مشہور فقیہ امام ابو اللیث سمرقندی رحمۃ اللہ علیہ نے تصنیف فرمائی جس کا نام "کتاب النوازل" ہے۔ اس کے بعد امام ناطفی رحمۃ اللہ علیہ نے "مجموع النوازل والواقعات" اور امام الصدر الشہید نے "الواقعات" تحریر فرمائی۔ اس کے بعد آج تک یہ سلسلہ جاری ہے۔

متاخرین علماء میں سے بعض نے ان تینوں قسموں کے مسائل کو متفرق طور اپنی کتاب جمع کیا جیسے امام قاضی خان رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "فتاوی قاضی خان جسے خانیہ بھی کہا جاتا ہے"

اور بعض علماء نے ان تینوں قسموں کے مسائل کو ترتیب وار (پہلے ظاہر الروایہ پھر نوادر الروایہ پھر فتاوی و واقعات) اپنی کتاب میں ذکر کیا ذکر کیا جیسے محیط رضوی جسے محیط سرخسی بھی کہا جاتا ہے۔

امام محمد علیہ الرحمۃ کی کتابوں کی ترتیب

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے جو کتابیں تصنیف فرمائیں ان کی ترتیب یہ ہے۔ سب سے پہلے سے "مبسوط" پھر "جامع صغیر" پھر "جامع کبیر" پھر "زیادات"

پھر "سیر صغیر" پھر "سیر کبیر"

اس ترتیب کے پیش نظر فقہ حنفی کے مفتی کیلئے یہ ہدایت ہے کہ اگر کسی جگہ امام محمد کی مذکورہ بالا کتابوں میں بیان کردہ مسائل میں آپس میں تعارض ہو تو جو کتاب بعد میں لکھی گئی ہے اس کے مطابق جواب دے۔

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی کتابوں سے استفادہ کرنے کا آسان طریقہ یہ ہے کہ امام حاکم شہید رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "الکافی" کا مطالعہ کرے کیونکہ اس کتاب میں امام محمد علیہ الرحمۃ کی ظاہر الروایۃ کی چھ کتابوں کو جمع کر دیا گیا ہے اور مزید شرح و بسط کے ساتھ مطالعہ کرنا چاہے تو کتاب "الکافی" کی شرح "مبسوط" کا مطالعہ کرے جو شمس الائمہ امام محمد بن محمد بن ابو سہل سرخسی علیہ الرحمۃ نے تصنیف فرمائی ہے۔

فقہ حنفی میں مبسوط کے نام پر متعدد کتابیں ہیں چنانچہ "امام یوسف"، "امام محمد" "امام جرجانی"، "امام خواہرزادہ"، "شمس الائمہ حلوانی"، "امام ابو الیسر بزدوی"، "امام علی بزدوی"، "امام ناصر الدین سمرقندی"، "فقیہ ابو اللیث سمرقندی" رحمہم اللہ میں سے ہر بزرگ نے مبسوط کے نام پر کتاب تصنیف فرمائی مگر فقہ حنفی میں جب بھی صرف "مبسوط" کہا جائے گا تو اس سے "مبسوط سرخسی" مراد ہوگی۔

اگر کسی مسئلے میں مجتہد سے دو قول مروی ہوں

اگر کسی مسئلے میں امام مجتہد سے دو قول مروی ہوں تو سب سے پہلے یہ دیکھنا ضروری ہے کہ کہیں مجتہد نے ایک قول سے رجوع تو نہیں کر لیا تھا۔ اگر رجوع ثابت ہو جائے تو جس قول کو مجتہد نے اختیار کیا اسی کو لیا جائے گا اور اگر کوئی ایسی دلیل نہ ملے تو

بعد میں آنے والا مجتہد اپنا اجتہاد کرے گا اور دونوں اقوال میں سے جس قول کو اپنے نزدیک دلائل کی روشنی میں قوی سمجھے گا اس پر عمل کرے گا اور اگر کوئی صورت دلائل کی روشنی میں راجح نہ ہو سکے تو غور و فکر کرے اور جس طرف دل مائل ہو اس پر عمل کر لے۔ لیکن یہ بات یاد رہے کہ یہ حکم عوام یا آج کل کے علماء کیلئے نہیں ہے بلکہ یہ مجتہدین کیلئے ہے جبکہ آج کل کی عوام کیلئے حکم یہ ہے کہ وہ اس مفتی کے فتوے پر عمل کریں جو علم اور تقوی میں دوسروں سے بڑھ کر ہو اور جو فقہ کی تعلیم و تعلم میں مشغول ہے وہ متاخرین علماء کی پیروی کرے اور جو اس کے نزدیک زیادہ درست اور زیادہ محتاط صورت ہو اس پر عمل کرے۔

(شرح عقود 58)

اسی مسئلے کو سیدی اعلیحضرت امام اہلسنت احمد رضا خان علیہ الرحمہ ایک جگہ یوں بیان فرماتے ہیں: ''(علماء) مختلف ہیں تو جسے ان میں افقہ واورع سمجھے اس کا اتباع کرے کما قدمناہ عن المحیط و الھندیہ (جیسا کہ ہم نے پہلے محیط اور ہندیہ سے بیان کیا ہے)، سراجیہ پھر تنویر و در میں ہے ''اذا اختلف مفتیان فی جواب حادثۃ اخذ بقول افقھما بعد ان یکون اورعھما'' ترجمہ: جب کسی حادثہ میں دو مفتیوں کا اختلاف ہو تو ان میں افقہ پرہیزگار کے قول کو اختیار کرے اور اگر تفقہ میں متقارب اور ورع میں یکساں ہیں تو اب کثرت رائے کی طرف میل کرے ''فان مظنۃ الاصابۃ فیھا اکثر عند من لایعلم وھو اعذر لہ عند ربہ عزوجل'' ترجمہ: کیونکہ اکثریت کی رائے میں درستی کا احتمال زیادہ ہے یہ چیز نہ

جاننے والے کے لئے عند اللہ بڑا عذر ہے اور اگر کثرت بھی کسی طرف نہ ہو مثلا چار متفقہ ہیں دو ایک طرف دو ایک طرف، تو جس طرف دل گواہی دے کہ یہ احسن یا احوط فی الدین ہے اس طرف میل اولٰی ہے ورنہ مختار ہے جس پر چاہے عمل کرے۔ معین الحکام میں ہے "ذکر الحسن بن زیاد فی ادب القاضی لہ الجاھل بالعلم اذا استفتی فقیھا فافتاہ بقول احد اخذ بقولہ ولایسعہ ان یتعدی الی غیرہ وان کان فی المصر فقیھان کلاھما رضا یأخذ عنھما فان اختلفا علیہ فلینظر ایھما یقع فی قلبہ انہ اصوبھما وسعہ ان یاخذبہ فان کانوا ثلثۃ فقھاء واتفق اثنان اخذ بقولھما ولایسعہ ان یتعد الی قو ل الثالث"

ترجمہ: حسن بن زیاد نے اپنی کتاب ادب القاضی میں ذکر کیا ہے کہ کوئی جاہل جب کسی فقیہ سے سوال کرے اور وہ اسے کسی ایک قول پر فتوی دے تو وہ اس فتوی کو اپنائے اور غیر کی طرف جانے کی اس کو اجازت نہیں۔ اگر شہر میں دو مساوی فقیہ ہوں تو دونوں سے چاہے رجوع کرے، اگر دونوں میں اختلاف ہو تو اسے چاہئے کہ غور کرے جس کی بات دل میں درست سمجھے اس کو اپنائے تو یہ جائز ہے، اور اگر شہر میں تین فقیہ ہوں اور دو کی رائے متفق ہو تو ان کی بات کو اپنائے اور تیسرے کی طرف رجوع کی گنجائش اسے نہ ہوگی۔"

(فتاوٰی رضویہ، ج18، ص494، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

یہی وجہ ہے کہ آج کل علماء کی اکثریت مسائل میں اعلیٰ حضرت، مجدد دین و ملت مولانا شاہ امام احمد رضا خان علیہ الرحمۃ اور صدر الشریعۃ مولانا امجد علی اعظمی علی علیہ

الرحمۃ کے فتاوی پر عمل کرتی ہے کیونکہ یہ بزرگ علم وتقوی میں اپنے زمانے کے تمام علماء پر فائق تھے۔

کسی مجتہد کے ایک مسئلے میں مختلف اقوال ہونے کی وجہ

کسی مسئلے میں مجتہد کے جو متعدد اقوال ہوتے ہیں اس کی متعدد وجوہات ہیں جن میں سے کچھ وجوہات یہ ہیں:

(1) راوی نے مجتہد سے سننے میں غلطی کی ہو جیسے مجتہد نے فرمایا: "جائز نہیں ہے" لیکن سننے میں "نہیں" نہ سن سکے۔ یہ بات بالکل واضح ہے اور یہ ہمارے زمانے میں بھی عام ہے کہ "ناجائز" کی جگہ "جائز" یا اس کے الٹ سن یا سمجھ لیتے ہیں۔

(2) مجتہد نے کبھی اجتہاد سے ایک بات بیان کی اور بعد میں اس کی رائے بدل گئی لیکن کسی شخص نے صرف پہلی بات ہی سنی تھی اور اس نے وہی بیان کر دی جبکہ دوسروں نے وہ بات بیان کی جس کی طرف مجتہد نے بعد میں رجوع کیا تھا۔

(3) مجتہد نے ایک بات قیاس کے طور پر کہی اور دوسری بات استحسان کے طور پر اور جس نے جو سنا اس نے وہی روایت کر دیا۔

(4) مجتہد نے ایک حکم بطورِ فتوی کے بیان کیا اور دوسرا حکم بطورِ احتیاط کے۔

(5) مجتہد کبھی دلائل کی وجہ سے مسئلے میں متردد ہوتا ہے۔ کبھی دونوں طرف کی دلیلیں ہوتی ہیں اور کبھی ایک دلیل میں دونوں احتمال ہوتے ہیں اور مجتہد کبھی کسی دلیل کو سامنے رکھ کر حکم بیان کرتا ہے اور کبھی کسی دلیل کو سامنے رکھ کر اور یوں ایک مسئلے میں دو قول ہوتے ہیں۔

(شرح عقود صفحہ:86)

مجتہد کا کسی مسئلے سے رجوع کر لینا

اگر کسی مسئلے میں مجتہد کے دو قول اس طرح ہوں کہ ایک قول سے اس نے مکمل طور پر اعراض نہیں کیا لیکن راجح دوسرے کو قرار دیا ہے تو راجح قول کو مجتہد کا قول اور دوسرے قول کو اس سے ایک روایت کے طور پر بیان کیا جائے گا لیکن اگر وہ ایک قول سے مکمل طور پر اعراض کر چکا تو اسے اس کا قول نہیں قرار دیں گے بلکہ صرف راجح ہی اس کا قول شمار کیا جائے گا۔

(شرح عقود صفحہ:91)

فقہ حنفی میں مختلف اقوال کیوں؟

یہ ایک عام مشاہدہ ہے کہ فقہ حنفی میں ایک قول اگر "امام ابوحنیفہ" کا ہے تو دوسرا قول "امام ابو یوسف" یا "امام محمد" کا ہوتا ہے۔ جب ہم حنفی ہیں تو امام ابوحنیفہ کے علاوہ کسی دوسرے کے قول پر عمل کیوں کرتے ہیں؟ اس کی وجہ علماء نے یہ بیان فرمائی ہے کہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کسی مسئلے میں بعض اوقات ایک قول ارشاد فرماتے پھر مزید غور وخوض فرماتے تو دوسرا قول ارشاد فرماتے اور بعض اوقات اس سے بھی زائد اقوال ارشاد فرماتے پھر دلائل کی روشنی میں ان میں سے کسی ایک قول کو اختیار فرما لیا کرتے تھے جبکہ آپ کے شاگرد آپ ہی کے بیان کردہ اقوال میں سے کسی دوسرے قول کو اختیار کر لیتے تو گویا حقیقت میں ان کے اقوال بھی امام اعظم ہی کے اقوال ہوتے ہیں لیکن چونکہ امام اعظم نے انہیں اس بات کی اجازت دے رکھی تھی کہ اگر دلیل کی روشنی میں تم میرے قول کے علاوہ کسی دوسرے قول کو مضبوط سمجھو تو اسی کو بیان کرو

چنانچہ آپ کے شاگرد آپ ہی کے اقوال میں سے کسی قول کو آپ کی اجازت سے آپ کے بیان کردہ اصول وقواعد کی روشنی میں ترجیح دے کر اختیار کرتے تھے اس لئے ان اقوال پر عمل کرنے سے آدمی فقہ حنفی سے نہیں نکلتا۔

رسول اللہ ﷺ کی حدیث کے مقابلے میں کسی کے قول پر عمل نہیں ہوگا

امام شعرانی علیہ الرحمۃ نے ائمہ اربعہ سے یہ اقوال نقل کئے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث مبارک کے مقابلے میں ان کے اقوال پر ہرگز ہرگز عمل نہیں کیا جائے گا۔اس طرح کے اقوال امام ابن عبدالبر علیہ الرحمۃ نے اپنی کتاب "جامع بیان العلم وفضلہ" میں بھی بیان فرمائے ہیں۔

اقوال ائمہ کے بارے میں اہم ہدایت

ان اقوال کا یہ مطلب نہیں کہ کسی بھی شخص کو کوئی حدیث ائمہ دین کے اقوال کے برخلاف نظر آئے تو فوراً ان اقوال کو چھوڑ کر حدیث پر عمل کرلے کیونکہ ائمہ دین کوئی عام آدمی نہ تھے بلکہ قرآن وحدیث پر انتہائی گہری نظر رکھنے والے اور متعارض باتوں میں تطبیق دینے اور ایک کو دوسرے پر ترجیح دینے کے انتہائی ماہر تھے تو ممکن ہے کہ جس قول کو عام آدمی کسی حدیث کے خلاف سمجھ رہا ہے وہ حقیقت میں خلاف نہ ہو بلکہ امام مجتہد جس حدیث پر عمل کررہا ہے وہ اس عام آدمی کی بیان کردہ حدیث سے زیادہ قوی ہو اور عام آدمی والی حدیث میں کوئی تاویل ہو یا اس کا کوئی خاص محمل ومطلب ہو یا کوئی بھی دوسری صورت ہو تو ایسی صورت حال میں ہر شخص کو یہ اختیار ہرگز نہیں کہ وہ کسی بھی حدیث کو لے کر ائمہ دین کے اقوال کو رد کرتا پھرے۔فی زمانہ گمراہی کی بہت بڑی وجہ

یہی ہے کہ نہ قرآن کے بارے میں مکمل معلومات، نہ حدیث پر گہری نظر، نہ مصالح
شرعیہ کے علم پر عبور، نہ علوم دینیہ کے ماہرین کی آراء کا علم اور اس سب کے باوجود صرف اردو
میں ترجمہ قرآن اور احادیث کی ایک آدھ اردو شرح دیکھ کر اپنے آپ کو مجتہد کے مرتبے
پر فائز سمجھتے ہیں اور پھر کبھی امام ابوحنیفہ کی غلطیاں نکالتے ہیں تو کبھی امام شافعی کی اور
کبھی پوری امت کو چیلنج کر کے عام مسلمانوں کے راستے سے جدا راستہ اختیار کرتے
ہیں۔ایسوں کیلئے صرف یہ آیت پیش خدمت ہے:

﴿وَمَن يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِن بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّى وَنُصْلِهِ جَهَنَّمَ وَسَاءَتْ مَصِيرًا﴾ ترجمہ کنز
العرفان: اور جو اس کے بعد کہ اس کے لئے ہدایت بالکل واضح ہو چکی رسول کی
مخالفت کرے اور مسلمانوں کے راستے سے جدا راستے کی پیروی کرے تو ہم اسے
ادھر ہی پھیر دیں گے جدھر وہ پھر گیا ہے اور اسے جہنم میں داخل کریں گے اور وہ کتنی
بری لوٹنے کی جگہ ہے۔

(پارہ 5 سورہ نساء آیت 115)

ائمہ دین کے اقوال کا مطلب

ائمہ دین نے جو کچھ ارشاد فرمایا وہ بالکل درست ہے اور ہر صاحب ایمان کا
یہی عقیدہ اور عمل ہے کہ نبی کریم ﷺ کے فرمان کے مقابلے میں کسی کا قول و عمل معتبر
نہیں۔لیکن اس بات کا فیصلہ کرنا کہ آیا واقعی فلاں امام مجتہد کا قول حدیث کے برخلاف
ہے یہ ہر آدمی کا کام نہیں بلکہ اس کی نہایت اہم تفصیل ہے۔

امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے اسی قول کی شرح میں امام اہلسنت، مجدد دین و ملت، مولانا شاہ امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مفصل کتاب "الفضل الموهبی فی معنیٰ اذا صح الحدیث فهو مذهبی" تحریر فرمائی جس میں اس قول کی نہایت عمدہ انداز میں وضاحت فرمائی ہے۔ راقم الحروف نے اس رسالے کی تسہیل بھی لکھی ہے جو راقم کے مجموعہ رسائل "رسائل قادریہ" میں موجود ہے۔ اس کا مطالعہ نہایت مفید ہے۔

فقہ حنفی کے مسائل کی اقسام

فقہ حنفی کے مسائل کی تین قسمیں ہیں:

(1) امام ابو حنیفہ کے بیان کردہ مسائل،

(2) امام ابو یوسف اور امام محمد اور دیگر شاگردوں کے بیان کردہ مسائل،

(3) بعد میں آنے والے فقہاء کرام کے بیان کردہ وہ مسائل جن میں انہوں نے امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اصول و قواعد کو پیشِ نظر رکھا ہے۔

ان تین قسم کے مسائل میں سب سے مقدم پہلے نمبر کے مسائل ہیں پھر تیسرے نمبر کے اور پھر دوسرے نمبر کے کیونکہ جن مسائل کی بنیاد اول تا آخر امام اعظم کے اصولوں پر ہے وہ دیگر ائمہ کے اقوال کی بنسبت امام اعظم کے مذہب کے زیادہ قریب ہیں۔

اقوالِ ائمہ پر عمل کرنے کی ترتیب

اقوال ائمہ پر عمل کرنے کی ترتیب یہ ہے:

(1) سب سے مقدم وہ قول ہے جس پر امام ابوحنیفہ، امام ابو یوسف اور امام محمد علیہم الرحمۃ تینوں متفق ہوں۔

(2) وہ اقوال جن میں امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف ایک طرف اور امام محمد ایک طرف ہوں یا امام ابوحنیفہ اور امام محمد ایک طرف اور امام ابو یوسف طرف ہوں وہاں اس قول پر عمل کیا جائے گا جس میں امام اعظم کے ساتھ ان کا کوئی شاگرد موجود ہے۔

یونہی وہ اقوال جن میں امام ابوحنیفہ ایک طرف ہوں اور صاحبین متفق ہوں اس میں کس کے قول پر عمل ہوگا؟ اس میں دونوں اقوال ہے اور عمومی تحقیق یہ ہے کہ امام کے قول پر ہی فتوی ہوگا۔

(3) وہ اقوال جن میں امام ابوحنیفہ، امام ابو یوسف اور امام محمد تینوں کا اختلاف ہے ان میں سب سے مقدم امام ابوحنیفہ کا قول ہے۔

(4) جس مسئلے میں امام ابوحنیفہ کا کوئی قول نہ ہو اس میں امام ابو یوسف کا قول مقدم ہوتا ہے۔

(5) جس مسئلے میں امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف دونوں میں سے کسی کا کوئی قول نہ ہو اس میں امام محمد کا قول مقدم ہوتا ہے۔

(6) جس مسئلے میں امام ابوحنیفہ، امام ابو یوسف اور امام محمد تینوں میں سے کسی کا کوئی قول نہ ہو اس میں امام زفر اور امام حسن بن زیاد کا قول مقدم ہوتا ہے۔

اقوالِ ائمہ پر عمل کرنے کی ترتیب کے متعلق دو اہم ہدایات

(1) یہ یاد رکھیں کہ اصولی اعتبار سے تو وہی تفصیل ہے جو ہم نے بیان کی

لیکن اگر بعد میں آنے والے حنفی ائمہ مجتہدین ﷺ نے بعض صورتوں میں قوتِ دلیل اور بعض صورتوں میں زمانہ بدلنے یا حرج وضرورت کی وجہ سے کسی دوسرے قول پر فتوی دیا تو اسی پر عمل کیا جائے جو بعد والوں نے فتوی دیا۔

(2) اوپر جو ترتیب ذکر کی گئی ہے وہ عوام اور عام علماء کیلئے ہے لیکن اگر کوئی ایسا عالم ہے جو اجتہاد کے مرتبے پر پہنچ چکا ہو تو اس پر لازم نہیں کہ امام کے قول پر ہی عمل کرے بلکہ وہ خود اجتہاد کرے اور جس کا قول اس کی نظر میں دلائل کی روشنی میں مضبوط نظر آئے اس پر عمل کرے۔

ایسا عالم وہ ہوتا ہے جو اپنے امام کے مذہب کی بھرپور معلومات رکھتا ہو، مختلف اقوال کے درمیان فرق کو پہچانتا ہے، ان اقوال کے منشاء اور دلائل کو سمجھتا ہو اور اپنے زورِ استدلال، ملکہ استنباط اور قوتِ استخراج سے مختلف اقوال میں ایک کو دوسرے پر ترجیح دے سکتا ہو۔

فتوی نویسی میں ایک اہم ہدایت

اوپر ہم یہ بات بڑی تفصیل کے ساتھ بیان کر چکے ہیں کہ مختلف ائمہ کے اقوال میں کس کے قول پر کب عمل کیا جائے گا یہاں ہم ان مسائل کے بارے میں کلام کریں گے جن میں ائمہ متقدمین کا کوئی قول نہ ہو۔ بعض اوقات کوئی ایسی صورت پیش آجاتی ہے کہ اس کے بارے میں ائمہ متقدمین میں سے کسی کا قول بھی نہیں ملتا ایسی صورت میں حکم یہ ہے:

(1) اگر بعد میں آنے والے مشائخ نے اس مسئلے میں کلام فرمایا ہو اور وہ سب ایک قول

پر متفق ہو چکے ہوں تو اسی قول کو لیا جائے۔

(2) اور اگر متاخرین مشائخ کا اس مسئلے میں اتفاق نہ ہو تو جس قول پر مشہور و معروف اکابر فقہاء کرام کی کثرت ہو اس قول کو لیا جائے گا۔ اکابر علماء سے مراد ہے جیسے امام ابو حفص کبیر، فقیہ ابو اللیث سمرقندی، امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہم وغیرھا

(3) اگر مشائخ کا کوئی قول اس بارے میں نہ ملے تو خود دلائل کی روشنی میں غور کرے اور محض اندازے سے مسئلہ بیان کرنے کی جرأت ہرگز نہ کرے کہ شریعت کے احکام بتانے میں بغیر علم کے جسارت کرنا بڑی بدبختی ہے۔

(4) اور تیسری صورت سے بہتر صورت یہ ہے اپنے سے بڑے عالم کی طرف یا تو خود رجوع کرلے اور سائل کو بتادے اور یا سائل ہی کو اس کی طرف بھیج دے اگر چہ وہ بڑا عالم کسی دوسرے شہر یا ملک میں رہتا ہو۔ فی زمانہ تو فون کی سہولت کی وجہ سے نہایت آسانی ہے، چند منٹ میں دنیا بھر میں کہیں بھی رابطہ ہو جاتا ہے لہٰذا مفتی کو چاہئے کہ اپنے وقت کے اصحابِ علم سے تعلقات رکھے تاکہ بوقتِ ضرورت ان سے رابطہ کرنے میں آسانی رہے۔

اکابر علماء کی طرف رجوع کرنا نہایت اہم ہے حتیٰ کہ صحابہ کرام بھی اسی کی تعلیم دیتے رہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے "برکت تمہارے اکابر کے ساتھ ہے"۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا "سب سے سچا قول خدا کا قول ہے (یعنی قرآنِ پاک) سب سے اچھا راستہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا راستہ ہے (یعنی سنت) اور بدترین کام بدعت

کے کام ہیں۔لوگ بھلائی پر رہیں گے جب تک اپنے اکابر سے علم لے رہے ہیں"۔

(اصول الاعتقاد للکلائی،ج:1،ص:84،رقم:100)

اس بات کی ایک مثال صحابہ کرام سے دیکھیں چنانچہ!

حضرت ابوالمنہال فرماتے ہیں: میں نے حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے بیع صرف کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا: زید بن ارقم سے پوچھو وہ زیادہ علم والے ہیں میں نے زید بن ارقم سے پوچھا تو انہوں نے کہا براء سے پوچھو، وہ زیادہ علم والے ہیں پھر دونوں نے فرمایا: کہ رسول اللہ ﷺ نے سونے کی چاندی کے ساتھ ادھار بیع سے منع فرمایا ہے۔

(مسلم شریف جلد 2 صفحہ 25)

مفتی کے لئے ایک نہایت اہم ہدایت یہ ہے کہ اگر کوئی مسئلہ معلوم نہ ہوتو اپنی طرف سے جواب نہ دے بلکہ اپنے سے بڑے عالم کی طرف رجوع کرے تاکہ صحیح جواب دیا جاسکے اور اس بات کو یاد رکھے کہ عالم اللہ تعالٰی اور اس کے بندوں کے درمیان وسیلہ ہے اور اس کا لوگوں کو مسئلہ بتانا گویا حکم الٰہی عزوجل بتانا ہے تو ایسا نہ ہو کہ اپنی عقل سے لوگوں کو وہ کوئی بات حکمِ الٰہی کہہ کر بتائے جو حقیقت میں حکمِ الٰہی نہ ہو۔

ایک بزرگ کا قول ہے:"عالم اسی وقت تک عالم ہے جب تک بغیر علم رائے زنی نہیں کرتا اور جب تک اپنے سے بڑے عالم کے پاس جانے سے نہیں شرماتا۔"

(جامع بیان العلم وفضلہ،ج:1،ص:251 بیروت)

صرف اصول وقواعد کو دیکھ کر فتوی لکھنا

فتوی نویسی میں بعض اوقات دو طرح کے رجحان دیکھنے میں آتے ہیں۔
بعض حضرات وہ ہیں کہ فقہی جزئیات پر اس قدر ڈٹ جاتے ہیں کہ اگرچہ زمانہ بدل جائے، حالات بدل جائیں، ضرورت و حاجت و بلوی کچھ بھی ہو جائے لیکن وہ مسائل میں تبدیلی اور ترقی کے قائل نہیں ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ بیسیوں جگہ مسلمان شدید مشقت کا شکار ہوتے ہیں لیکن چونکہ فقہی کتابوں میں اس مسئلے کے بارے میں فقہاء نے کچھ لکھ دیا ہوتا ہے اس لئے ایسے مفتی صاحبان ٹس سے مس نہیں ہوتے۔ دوسری طرف ایسے حضرات بھی پائے جاتے ہیں کہ جو فقہی جزئیات کو بہت کم اہمیت دیتے ہیں اور صرف اصولوں کو دیکھتے ہوئے فتوی دیدیتے ہیں۔ یہ دونوں صورتیں نہایت نقصان دہ ہیں۔ پہلی صورت کا نقصان تو یہ ہے کہ تمام علماء و فقہاء کا متفقہ فیصلہ اور عمل ہے کہ زمانے کے بدلنے سے بعض مسائل میں تبدیلی آتی ہے اور ضرورت، حاجت، حرج، عموم بلوی اور اس طرح کی چند چیزیں ایسی ہیں کہ ان کی وجہ سے مسائل میں اجتہاد کیا جاتا ہے تو جو لوگ اپنے موقف سے بالکل نہیں ہلتے وہ مسلمانوں کو تنگی میں ڈالتے ہیں اور ایسے لوگوں کا یہ رویہ سراسر غلط اور نامناسب ہے۔

چنانچہ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ نے اپنی کتاب ''اجلی الاعلام بان الفتوی مطلقا علی قول الامام'' میں اس پر مفصل بحث فرمائی ہے۔ اس میں علامہ شامی کا بیان کردہ یہ قول قابل توجہ ہے جسے اعلیٰ حضرت، امام احمد رضا خان علیہ الرحمۃ نے

"اجلی الاعلام" میں بھی نقل فرمایا ہے:

" فقد ظهرلك ان جمود المفتی او القاضی علی ظاهر المنقول مع ترك العرف والقرائن الواضحة والجهل باحوال الناس يلزم منه تضييع حقوق كثيرة وظلم خلق كثيرين"

ترجمہ: اس سے معلوم ہوا کہ مفتی یا قاضی کا محض منقولات کے ظاہر کو پکڑ کر بیٹھ جانا اور لوگوں کے عرف، قرائن واضحہ اور لوگوں کے احوال سے صرفِ نظر کر لینا بہت سے حقوق کے زائل ہو جانے کا باعث ہوگا اور خلقِ خدا پر ظلم وتعدّی کا دروازہ کھل جائے گا۔

(فتاوی رضویہ جلد اول صفحہ134)

دوسری صورت کا نقصان بھی واضح ہے کہ جو لوگ فقہاء کرام کے جزئیات کی طرف توجہ کم اور اصولوں کی طرف توجہ زیادہ کرتے ہیں وہ عموما خطا کرتے ہیں کیونکہ اصولوں کی روشنی میں جواب دینا کوئی آسان کام نہیں ہے۔اس میں چند چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے:

(1) تمام اصول ذہن نشین ہوں۔

(2) ان اصولوں کو باقاعدہ کسی ماہرِ فن یعنی فقیہ سے پڑھا ہو۔

(3) گزشتہ فقہاء نے ان اصولوں سے جو مسائل استنباط کئے ہوں انہیں مکمل طور پر سمجھتا ہو۔

(4) جہاں اصولوں میں تعارض ہو وہاں تطبیق وتوجیہ اور ترجیح کی صورتیں جانتا ہو۔

(5) اصولوں کی روشنی میں مسائل کے استخراج کی مشق باقاعدہ کسی فقیہ سے کی ہو۔

(6) اپنے زمانے کے عرف اور لوگوں کے حالات سے واقف ہو۔

(7) فتوی نویسی کے اصولوں پر کامل دسترس ہو۔

(8) جو صورتیں اصولوں سے مستثنیٰ ہوتی ہیں انہیں جانتا ہو۔

(9) قرآن وحدیث کی نصوص کی وجہ سے بعض چیزیں اصولوں سے الگ ہوتی ہیں ان تمام صورتوں کا علم ہو۔

(10) بعض احکام کسی خاص اصول کے تحت نہیں آتے بلکہ ان پر صراحت کے ساتھ آیات واحادیث یا صحابہ کے فتاوی ہوتے ہیں ایسی تمام صورتوں کو جانتا ہو۔

(11) بعض اوقات دو مسئلے ایک ہی طرح کے محسوس ہوتے ہیں جبکہ ان میں کوئی باریک فرق ہوتا ہے جس کی وجہ سے دونوں کا حکم الگ الگ ہوتا ہے۔ یہ نہایت نازک معاملہ ہوتا ہے۔ فقہاء نے اس موضوع پر باقاعدہ کتابیں تصنیف فرمائی ہیں۔

یہ چند چیزیں سمجھانے کیلئے عرض کی ہیں کہ اصولوں کی روشنی میں جواب دینے کیلئے کن کن چیزوں کی حاجت ہے لہٰذا سمجھداری کا تقاضا یہی ہے کہ ہر مسئلے کے بارے میں فقہاء کرام کی صریح عبارتوں کو نقل کیا جائے اور جہاں صریح عبارتیں نہ ملی وہاں دوسروں کے مشوروں کے ساتھ اصولوں کی روشنی میں جواب دیا جائے۔

لہٰذا فتوی دینے میں اعتدال کی راہ اختیار کرنی چاہئے۔ نہ تو ضرورت و حاجت وحرج وبلوی کا نام لے کر ہر چیز کو جائز قرار دیتے جائیں اور نہ جزئیات پر ایسے اڑ جائیں کہ اگرچہ مسلمان مشقت میں پڑیں، تکلیفیں اٹھائیں، دین سے دور

ہوتے رہیں، عقیدے اور عمل میں غلط راہ کی طرف بڑھتے رہیں لیکن سی بھی طرح مسائل میں تبدیلی نہ کی جائے۔

فتوی نویسی میں چند اہم اصول

(1) فقہ حنفی میں عبادات یعنی وضو، غسل، نماز، روزہ، زکوۃ، حج کے مسائل میں اکثر و بیشتر امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے مطابق فتوی دیا جاتا ہے۔ البتہ جہاں ائمہ ترجیح نے کسی دوسرے کے قول کو راجح قرار دیا ہو وہاں اس قول پر فتوی جائے گا۔

(2) جو معاملات کورٹ اور قضا کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں ان میں اکثر امام ابو یوسف علیہ الرحمۃ کے قول کے مطابق فتوی دیا جاتا ہے کیونکہ آپ ایک زمانے تک تمام اسلامی ممالک کے قاضی القضاۃ یعنی چیف جسٹس رہے۔ یہ ایک اہم اصول ہے کہ جس شخص کو جس چیز کا تجربہ ہوتا ہے وہ اس میں پوری بصیرت کے ساتھ فتوی دے سکتا ہے۔ لیکن یہ قاعدہ کلیہ بلکہ اکثریہ ہے۔

جیسا کہ سیدی اعلی حضرت مجدد دین وملت مولانا الشاہ امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: علماء نے مسائل وقف وقضاء کی نسبت بیشک فرمایا کہ وہاں غالباً قولِ ثانی پر فتوی ہے، اس سے ہر وہ امر کہ زیر قضا آسکے مراد نہیں تاکہ امثال صوم وصلوۃ کے سوا نکاح وبیع وہبہ اجارہ ورہن وغیرہا تمام ابواب فقہ کو عام ہو جائے یوں تو وقف بھی اسی قبیل سے تھا، پھر خاص اسے الگ گننے کے کیا معنی، نہ ہرگز عالم میں کوئی عالم اس کا قائل اور خود ہزاروں ہزار کتب فقہ اس کے خلاف پر گواہ عادل

کہ لاکھوں مسائل معاملات میں بھی قولِ امام ہی پر فتویٰ ہے اگرچہ رائے امام ابو یوسف سے امام محمد بھی موافق ہوں بلکہ یہ امر خاص اُن مسائل معاملات میں اکثری طور پر ہے جنہیں فقہاء کتاب القضاء و کتاب الوقف میں لکھتے ہیں۔

(فتاوی رضویہ جلد 12 صفحہ 111 رضا فاؤنڈیشن لاهور)

(3) ذوی الارحام کے وراثت کے مسائل کے متعلق امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر فتوی دیا جاتا ہے۔ لیکن فی زمانہ اس قول کے مشکل ہونے کی وجہ سے علماء امام ابو یوسف کے قول پر فتوی دیتے ہیں۔

(4) جس قیاس کی علت پوشیدہ ہو اسے ''استحسان'' اور جس قیاس کی علت بالکل واضح ہو اسے ''قیاس'' کہتے ہیں۔ اکثر و بیشتر مسائل میں استحسان کو قیاس پر ترجیح دی جاتی ہے البتہ بعض مقامات پر قیاس استحسان پر ترجیح پاجاتا ہے۔ پھر یہاں مزید دو صورتیں بنتی ہیں۔ بعض اوقات راجح صورت پر عمل کرنا واجب ہوتا ہے اور بعض اوقات واجب نہیں ہوتا بلکہ صرف بہتر ہوتا ہے۔

(5) ''ظاہر الروایۃ'' میں ذکر کردہ مسائل دیگر مسائل پر راجح ہوتے ہیں سوائے ان صورتوں کے جہاں پر بعد والے فقہاء کرام نے دوسرے اقوال کو راجح قرار دیا ہو۔

فقہی کتابوں کی تین اقسام

فقہی کتابوں کی تین قسمیں ہیں: (1) متون (2) شروح (3) فتاوی متون میں بیان کردہ مسائل دیگر دونوں قسموں فائق ہوتے ہیں جبکہ شروح میں بیان

کردہ مسائل فتاوی پر مقدم ہوتے ہیں ۔البتہ اگر متون کے مقابلے میں شروح و فتاوی یا شروح کے مقابلے میں فتاوی کے کسی مسئلے کو علماء نے راجح قرار دیا ہو تو اسی کے مطابق عمل کریں گے۔

درحقیقت متون کی کتابیں اس لئے لکھی گئی تھیں کہ ان میں فقہ حنفی کے راجح اقوال نقل کئے جائیں۔ چونکہ ان کتابوں میں صحیح اقوال نقل کرنے کا التزام کیا گیا ہے اس لئے ان میں ذکر کردہ مسائل کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ ان میں تصحیح التزامی ہے۔اس ''تصحیح التزامی'' کے مقابلے میں اگر صریح تصحیح مل جائے تو ''صریح تصحیح'' پر عمل کیا جائے گا۔

معتبر متون یہ ہیں

(1) بدایہ، (2) قدوری، (3) مختار، (4) نقایہ، (5) وقایہ، (6) کنز الدقائق، (7) ملتقی، (8) النخف فی الفتاوی وغیرہا اس کے ساتھ یہ بات بھی یاد رکھیں یہ سب مختصر کتابیں ہیں اور یہ متاخرین علماء کی اصطلاح ہے جبکہ متقدمین جب یہ فرماتے ہیں: ''یہ مسئلہ متون میں ہے'' اس سے ان کی مراد اکابر مشائخ اور جلیل القدر فقہاء کرام کی کتابیں ہوتی ہیں جیسے امام طحاوی، امام کرخی، امام جصاص، امام خصاف اور امام حاکم وغیرھم کی کتابیں۔

متون و شروح و فتاوی کے متعلق اعلیٰ حضرت کی تحقیق

امام اہلسنت مجدد دین وملت مولانا شاہ امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ کے

نزدیک فقہ کے متون، شروح اور فتاوی کی تفصیل درج ذیل ہے:

متونِ فقہ

(1) مختصر امام طحاوی (2) مختصر امام کرخی (3) مختصر امام قدوری (4) کنز الدقائق (5) وافی (6) وقایہ (7) نقایہ (8) اصلاح (9) مختار (10) مجمع البحرین (11) مواہب الرحمٰن (12) ملتقی۔

اور ایسی ہی دوسری کتابیں جو نقل مذہب کیلئے لکھی گئی ہیں۔ منیہ جیسی کتاب نہیں کہ اس کا درجہ فتاوی سے زیادہ نہیں اور میں نے دیکھا کہ تنویر الابصار میں قنیہ سے نقل شدہ روایات داخل ہیں جب کہ وہ امام محمد کی کتابوں میں منصوص مذہب سے متصادم ہیں۔

کتاب الاشباہ فتاوی کی نقول وابحاث سے بھری ہوئی ہے تو اس کا درجہ فتاوی ہی کا ہے یا شروح کا۔ یہ ذہن نشین رہے۔ اور علما نے ہدایہ کو متون سے شمار کیا ہے باوجودیکہ وہ صورۃً شرح ہے۔

شروحِ فقہ

کتبِ اصول (یعنی جامع کبیر، جامع صغیر، مبسوط، زیادات، سیر کبیر، سیر صغیر) کی شرحیں جو ائمہ نے لکھیں اور مذکورہ مختصرات (یعنی مختصر امام طحاوی، مختصر امام کرخی، مختصر امام قدوری کی وہ شرحیں جو تحقیق پر مبنی ہوں۔)

(1) مبسوط امام سرخسی (2) بدائع ملک العلماء (3) تبیین الحقائق (4) فتح القدیر (5) عنایہ (6) بنایہ (7) غایۃ البیان (8) درایہ (9) کفایہ (10) نہایہ

(11) حلیہ (12) غنیۃ (13) البحر الرائق (14) النہر الفائق (15) درر الاحکام (16) دُرمختار (17) جامع المضمرات (18) جوہرہ نیرہ (19) ایضاح اور ایسی ہی دیگر کتابیں میرے نزدیک ان ہی میں محققین کے حواشی بھی داخل ہیں جیسے (20) غنیۂ شرنبلالی (21) حواشی خیرالدین رملی (22) ردالمحتار (23) منحۃ الخالق، اور ایسے ہی حواشی۔ (24) فتاوی خیریہ (25) العقود الدریہ

مجتبٰی، جامع الرموز، شرح ابی المکارم جیسی کتابیں نہیں بلکہ سراج وہاج اور شرح مسکین بھی نہیں۔

فتاوائے فقہ:

(1) خانیہ (2) خلاصہ (3) بزازیہ (4) خزانۃ المفتین (5) جواہر الفتاوی (6) محیطات (محیط نام کی متعدد کتابیں ہیں جیسے: محیط برہانی، محیط رضوی وغیرہ) (7) ذخیرہ (8) واقعاتِ ناطفی (9) واقعاتِ صدر شہید (10) نوازل فقیہ (11) مجموع النوازل (12) ولوالجیہ (13) ظہیریہ (14) عمدہ (15) کبری (16) صغری (17) تتمۃ الفتاوی (18) صیرفیہ (19) فصول عمادی (20) فصول استروشنی (21) جامع صغار (22) تاتارخانیہ (23) ہندیہ

اور ایسی ہی کتابیں ان ہی فتاوی میں (24) منیہ بھی ہے جیسا کہ میں نے ذکر کیا قنیہ، رحمانیہ، خزانۃ الروایات، مجمع البرکات، اور ان کی برہان جیسی کتابیں نہیں۔ تو ان میں جو چھان بین اور تنقید و تنقیح پر مبنی ہوں وہ میرے نزدیک شروح کے درجہ میں ہیں جیسے فتاوی خیریہ اور علامہ شامی کی العقود الدریہ اور مجھے امید ہے کہ

میرا رب اپنے احسان و کرم سے میرے ان فتاویٰ کو بھی ان ہی کی سلک میں منسلک فرمائے گا کہ اہلِ کرم کے جام سے زمین کو بھی حصہ مل جاتا ہے۔ رہے فتاویٰ طوری اور فتاویٰ محقق ابن نجیم تو ان کے بارے میں کہا گیا ہے کہ قابلِ اعتماد نہیں اور خدائے برتر ہی خُوب جاننے والا ہے۔

سب سے معتبر صحاح پھر سنن پھر مسانید، اسی طرح متون پھر شروح پھر فتاویٰ۔

(فتاوی رضویہ جلد4صفحہ208تا211)

اردو فتاوی میں فتاوی رضویہ سب پر فائق ہے اور اس کے علاوہ فتاوی امجدیہ، فتاوی نوریہ، فتاوی فیض الرسول بہت عمدہ فتاوی ہیں۔

مختلف کتابوں کے مختلف انداز

مختلف مصنفوں کے اندازِ تصنیف مختلف ہوتے ہیں ۔ ان کے اندازِ تصنیف کو جاننے کا فائدہ یہ ہے کہ اس بات کا علم ہو جاتا ہے کہ اِس مصنف کے نزدیک معتبر قول کون سا ہے۔ چند انداز ہم یہاں بیان کرتے ہیں جس سے کتابوں کو سمجھنا آسان ہو جائے گا۔

(1) فتاوی قاضی خان اور ملتقی الابحر میں اگر کسی مسئلے میں دو قول لکھے ہوں تو جو قول پہلے لکھا ہو گا وہ مقدم ہو گا۔

(2) جن کتابوں میں مسائل کے ساتھ ان کے دلائل بھی مذکور ہوتے ہیں ان میں جس قول کی دلیل آخر میں لکھی ہو وہ سب سے مقدم ہو گا جیسے ہدایہ، اور اس کی

شروحات، کنز الدقائق کی شروحات، کافی للنسفی، بدائع الصنائع وغیرھا۔

(3) جب کسی مسئلے میں تین اقوال ہوں تو ان میں درمیان والا قول راجح نہیں ہوسکتا ہے بلکہ پہلا قول راجح ہوگا یا تیسرا۔

(4) اگر دو یا دو سے زیادہ اقوال لکھے گئے اور ان میں ایک قول کے ساتھ اس کی دلیل بھی لکھی گئی ہو جبکہ دیگر اقوال کی دلیل مذکور نہ ہو تو جس قول کو دلیل کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے وہ راجح ہوگا۔

(5) ہندیہ میں جب کسی مسئلہ کے بعد کذا فی الخانیۃ وغیرہ ہو تو وہ مسئلہ لفظا منقول ہے جبکہ اگر ھکذا فی الغنیۃ وغیرہ ہو تو وہ مسئلہ معنیٰ منقول ہے۔

ترجیح کے لئے استعمال ہونے والے الفاظ

فقہاء کرام کی مخصوص اصطلاحات ہیں جنہیں وہ اپنی کتابوں میں بکثرت استعمال کرتے ہیں اور ان علامات کو استعمال کرنے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ معلوم ہو جائے کہ راجح قول کون سا ہے ہم یہاں ان اقوال کو بیان کرتے ہیں۔

(1) علیه الفتوی (اسی پر فتوی ہے۔)

(2) به یفتی (اسی پر فتوی دیا جاتا ہے۔)

(3) به ناخذ (اسی کو ہم لیتے ہیں۔)

(4) علیه الاعتماد (اسی پر اعتماد ہے۔)

(5) علیه عمل الیوم (اسی پر آج کے دور میں عمل ہے۔)

(6) علیه عمل الامة (اسی پر امت کا عمل ہے۔)

(7) هو الصحیح (یہی صحیح ہے۔)

(8) هو الاصح (یہی زیادہ صحیح ہے۔)

(9) هو الاظهر (یہی زیادہ ظاہر ہے۔)

(10) هو المختار فی زماننا (ہمارے زمانے میں یہی مختار ہے۔)

(11) فتوی مشائخنا (یہ ہمارے مشائخ کا فتوی ہے۔)

(12) هو الاشبه (یہ منصوص کے زیادہ مشابہ ہے۔)

(13) هو الاوجه (یہی زیادہ وجیہ ہے۔)

(14) هو الاحوط (اس میں زیادہ احتیاط ہے۔)

(15) هو الارفق بالناس (یہ لوگوں کے لئے زیادہ نرمی والا ہے۔)

(16) الموافق لتعاملهم (یہ لوگوں کے تعامل کے مطابق ہے۔)

الفاظِ افتاء کے حوالے سے ایک اہم تنبیہ

یہاں یہ بات یاد رکھنا نہایت ضروری ہے کہ فتوی دیتے وقت یہ نہیں کہ مذکورہ بالا الفاظ میں سے کسی کتاب میں کوئی بھی لفظ دیکھا تو فوراً اس کے مطابق فتوی دیدیا بلکہ ان الفاظ میں درجہ بدرجہ ترتیب ہے کہ ان میں کون سا لفظ دوسرے الفاظ کی بنسبت زیادہ قوی ہے۔ اس کیلئے درج ذیل تفصیل کو سامنے رکھنا نہایت مفید ہے:

(1) سب سے قوی تر لفظ ہے "علیہ عمل الامة" یعنی اس پر امت کا عمل ہے۔ یہ لفظ اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ اس پر امت کا اجماع ہے۔

(2) جن اقوال میں "فتوی" کا لفظ پایا جائے وہ دیگر الفاظ والے اقوال

سے زیادہ قوی ہوتے ہیں کیونکہ کسی قول کا صحیح ہونا اس بات کو لازم نہیں کرتا ہے کہ اسی کے مطابق فتوی بھی دیا جائے کیونکہ بعض اوقات ایک قول صحیح تو ہوتا ہے لیکن زمانے کے حالات کے پیشِ نظر یا کسی دوسری وجہ سے دوسرے قول پر فتوی دیا جاتا ہے۔

(3) ''علیه الفتوی'' اور ''به یفتیٰ'' کے الفاظ ''الفتوی علیه'' سے زیادہ قوی ہیں کیونکہ پہلے دونوں الفاظ کا مطلب ہے کہ ''اسی قول پر فتوی ہے'' جبکہ تیسرے لفظ کا مطلب ہے کہ ''اس پر فتوی ہے'' تو پہلے دونوں لفظوں میں حصر کا معنیٰ پایا جاتا ہے اس لئے وہ زیادہ قوت والے الفاظ ہیں۔

(4) ''فتوی'' والے الفاظ ''صحیح، الاصح، الاشبه'' وغیرھا تمام الفاظ سے زیادہ قوی ہیں۔

(5) ''الاحوط'' کا لفظ اس سے زیادہ قوی ہے جس میں صرف ''الاحتیاط'' کا لفظ ہو۔

(6) ''ھو الاصح'' اور ''ھو الصحیح'' میں سے کون سا لفظ زیادہ راجح ہے اس بارے میں علماء کے مختلف اقوال ہے۔ اس کی تفصیل ہم اس بحث کے آخر میں کریں گے۔

یہ چند الفاظ فتوی اور ان کے متعلقہ احکام یہاں ذکر کیئے گئے ہیں۔ ان کا بہترین استعمال دیکھنے کیلیئے فتاوی رضویہ شریف کا ایک مفصل فتوی یہاں نقل کیا جارہا ہے۔ یہ فتوی اگرچہ نہایت تفصیلی ہے لیکن ابھی تک کے بیان کیئے گئے اکثر اصول

اس فتوی میں موجود ہیں۔

رسم المفتی کے اصولوں پر مبنی ایک شاہکار فتوی

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک تاجر نے ایک اجیر پیشہ ورکو معتبر و متدین سمجھ کر سالہا سال اُجرت پر کام بنانے کے لئے دیاوہ کاریگر ہمیشہ بہ دیانتِ تمام کام بنایا کیا، کبھی اس سے تقصیر واقع نہ ہوئی اب برسوں کے بعد ایک مال اس کی حفاظت سے گم ہوگیا، اس صورت میں اُس اجیر پر تاوان ڈالنا جائز ہے یا نہیں؟

بینوا توجروا

الجواب

ناجائز ہے۔فی الوقایہ لایضمن ماھلك فی یدہ وان شرط علیه الضمان وبه یفتی، وفی الاصلاح والتنویر بلفظه وفی النقایة کذلك الاقوله وبه یفتی وفی الملتقی المتاع فی یدہ امانة لایضمن ان ھلك وان شرط ضمانه به یفتی، وفی الکنز المتاع فی یدہ غیر مضمون بالھلاك وفی الغرر لایضمن ماھلك فی یدہ وان شرط علیه الضمان اھ وفی منح الغفار قد جعل الفتوی علیه فی کثیر من المعتبرات وبه جزم اصحاب المتون فکان ھو المذھب،وفی الخانیة المختارفی اجیر المشترك قول ابی حنیفة وفیھا قال الفقیه ابواللیث علی قول ابی حنیفة لایضمن وبه ناخذ و الفتویٰ علی قول ابی حنیفة اھ ملخصه وفی الخلاصة من جنس القصار القاضی الامام

یفتی بقول ابی حنیفة قال وانا افتی به وفی التاتارخانیة عن الابانة اخذ الفقیه ابواللیث فی هذه المسئلة بقول ابی حنیفه وبه افتی، وفی الانقرویة قال القاضی فخر الدین الفتوی علی انه لایضمن تاتارخانیه. اه وفی البزازیة نوع۶ القضاء القاضی افتی بقول الامام اهوفیها قال فی العون اخترت قول الامام اه وفیها لوشرط الضمان علی المشترك ان هلکت قیل یضمن اجماعا والفتوی علی انه لااثرله واشتراطه وعدمه سواء لانه امین، اه و فیها بعیده فی مسئلة لایضمن وبه یفتی اه وفی الجامع الفصولین قال وفیها علیه قول البزازی ث (الفقیه لاامام ابواللیث) به ناخذ قال هذ (صاحب الذخیرة) وفی الهندیة اوائل الفصل الاول فی الاجیر المشترك قال فخر الدین وعلیه الفتویٰ وبه ناخذ اه وفیها اواخر الفصل المذکور ایضا عن الکبری الفتوی علی انه لاتضمن الاجیر المشترك الاماتلف بصنعه۔

ترجمہ: وقایہ میں ہے، اجیر کے قبضے سے گم شدہ چیز پر وہ ضامن نہ ہوگا اگر چہ ضمان کی شرط بھی لگائی ہو، اور اسی پر فتویٰ ہے اور اصلاح اور تنویر میں یہی الفاظ ہیں اور نقایہ میں یونہی ہے سوائے ''بہ یفتی'' کے اور ملتقیٰ میں ہے اس کے قبضہ میں مال امانت ہے، ہلاک ہوجانے پر وہ ضامن نہ ہوگا اگر چہ ضمان کی شرط بھی ہو۔ اسی پر فتویٰ ہے اور کنز میں ہے اس کے قبضہ میں مال ہلاک ہوجائے تو مضمون نہیں ہے، اور غرر میں ہے اس کے قبضہ میں ہلاک ہونے پر ضمان نہیں اگر چہ شرط بھی لگائی ہو، اھ اور منح الغفار میں ہے کثیر معتبر کتب میں اسی پر فتویٰ ہے اور اصحاب متون نے اسی

پر جزم کیا ہے تو یہی مذہب ہے اور خانیہ میں ہے مشترک اجیر کے متعلق مختار امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے اور اسی میں ہے کہ فقیہ ابواللیث نے فرمایا: امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے قول پر وہ ضامن نہ ہوگا۔ ہمارا یہی مختار ہے، اور فتویٰ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے قول پر ہے۔ اھ ملخصا۔ اور خلاصہ کی جنس القصار میں ہے امام قاضی خاں امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے قول پر فتویٰ دیتے ہیں، اور انھوں نے فرمایا میں اسی پر فتویٰ دیتا ہوں اور تاتارخانیہ میں الابانۃ سے منقول ہے کہ فقیہ ابواللیث نے اس مسئلہ میں امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا قول لیا ہے اور اسی پر فتویٰ دیا ہے، اور انقرویہ میں ہے قاضی فخر الدین نے فرمایا فتویٰ یہ ہے کہ وہ ضامن نہ ہوگا، تاتارخانیہ اھ، اور بزازیہ کی نوع القضاء میں ہے قاضیخاں نے امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے قول پر فتویٰ دیا ہے اور اس میں یہ بھی ہے انھوں نے العون میں فرمایا میں نے امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے قول کو اختیار کیا ہے اھ اور اسی میں ہے اگر مشترک اجیر پر شرط ضمان لگائی تو بعض نے کہا بالاتفاق ضامن ہوگا، اور فتویٰ یہ ہے کہ اس شرط کا کوئی اثر نہ ہوگا شرط لگانا نہ لگانا برابر ہے کیونکہ امین ہے اھ، اور اسی میں ایک مسئلہ میں تھوڑا بعد فرمایا ضامن نہ ہوگا اسی پر فتویٰ دیا جائے گا اھ اور جامع الفصولین میں فرمایا اور اس میں اس پر بزازی کا ''ث'' یعنی فقیہ ابواللیث کا قول ہم نے یہی اختیار کیا ہے اور ''ھـذا'' کہا یعنی صاحب ذخیرہ نے، ہندیہ میں اجیر مشترک کی بحث کی ابتداء میں ہے۔

فخر الدین نے فرمایا اسی پر فتویٰ ہے اور ہم نے اسی کو لیا ہے اھ اور اسی میں فصل مذکور کے آخر میں کہا کہ فتاویٰ کبریٰ میں بھی ہے کہ مشترک اجیر ضامن نہ ہوگا مگر

جبکہ وہ خود سامان کو ہلاک کرے۔

اگرچہ مسئلہ تضمین اجیر مشترک میں جبکہ مال بے اس کے فعل کے کسی ایسے سے ضائع ہوجائے جس سے احتراز ممکن تھا اقوال وفتاویٰ سخت مختلف ہیں، مگر ہمارے امام اعظم امام الائمہ مالک الازمہ کاشف الغمہ سراج الامہ ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک اس پر صورت مذکورہ میں مطلقا تاوان نہیں اور یہی مذہب ہے امام ہمام قاضی شریح وامام عطا وامام طاؤس وامام مجاہد وامام ابراہیم نخعی وامام حماد بن ابی سلیمان استاذ امامنا الاعظم وغیرہم اکابر تابعین اور امام زفر وامام حسن بن زیاد وغیرہم ائمہ دین کا، اور ایک قول میں امام شافعی نے بھی ایسا فرمایا اور وہ ایک روایت ہے امام احمد سے بلکہ کہا گیا امام محمد سے بھی اس کے مثل منقول ہوا، اور حضرت امیر المومنین عمر فاروق اعظم اور امیر المومنین علی مرتضی رضی اللہ عنہما سے بھی ایک روایت یونہی وارد ہوئی بلکہ امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ نے قول ضمان چھوڑ کر اس طرف رجوع فرمائی بلکہ بعض علماء نے فرمایا یہ قول محل اجماع میں ہے امام اجل شریح رحمۃ اللہ علیہ کہ سرکار مرتضوی کرم اللہ تعالی عنہ کے قاضی تھے ہزار ہا صحابہ تابعین کے حضور ہمیشہ یہی حکم دیتے اور کوئی انکار نہ فرمایا تا بلکہ خود حضور پر نور حکم عدل خبیر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے میں حدیث وارد اور بعینہ یہی حکم حضور والا علیہ افضل الصلوۃ والثناء سے مروی اور انھیں تک ہی سب غایتوں کی غایت اور وہی ہیں سب نہایتوں کی نہایت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

(ابوحنیفه) عن بشر الکوفی عن محمد بن علی عن ابیه عن

علی ابن ابی طالب رضی اللہ تعالٰی عنہ ان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قال لاضمان علی قصار ولاصباغ۔

ابوحنیفہ بشرالکوفی سے اور وہ اپنے والد سے انھوں نے علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: دھوبی اور رنگریز پر ضمان نہیں۔

اور اسی پر جزم فرمایا: ملتقی ووقایہ ونقایہ وغرر واصلاح وتنویر وغیرہما متون میں اور یہی مقتضی ہے اطلاق قدوری وہدایہ وکنز ومجمع وغیرہا متون کا، غرض عامہ متون اسی پر ہیں، اور اسی پر فتویٰ دیا امام فقیہ ابواللیث سمرقندی اور امام اجل قاضیخاں اور امام ظہیر الدین مرغینانی اور امام افتخار الدین طاہر صاحب خلاصہ وغیرہم اکابر معتمدین نے، بلکہ امام اجل ظہیری اول اس کے قائل نہ تھے بعدہ اس طرف رجوع لائے اور اسی کو راجح ومختار ومعتمد ومفتی بہ ٹھہرایا، مضمرات وذخیرہ وابانہ وعون وتاتارخانیہ وفتاوٰی کبری وفتاوٰی بزازیہ ومحیط ووقایہ وملتقی واصلاح وتتمہ وتنویر ومنح ودرر وغیرہا جمہور ائمہ کے تصانیف معتمدہ میں اور اس کی ترجیح مقتضی ہدایہ کا ہے اور یہی امام سے ظاہر الروایہ ہے۔ عام معتبرات میں اسی پر فتویٰ دیا، اور اصحاب متون نے اسی پر جزم کیا، تو یہی مذہب ٹھہرا، ذرا چشم انصاف اس مذہب مہذب کی سطوت وشوکت ملاحظہ کرے۔

اماان شریحا یقول بہ (فمحمد) فی الاثار عن ابی حنیفۃ عن حماد عن ابراھیم ان شریحا لم یضمن اجیرا قط (قلت) وارسلہ الامام فی المسند عن النخعی، واما عطاء وطاؤس فعزاہ الیھما فی الخلاصۃ والخیریۃ

وغیرھما والی مجاھد ایضافی الخلاصة والی ابراھیم فی الحاشیة الطحطاویة علی الدرالمختار والی حماد فی غایة البیان عن مختصر الامام الکرخی، و الی زفروالحسن فیھا والایضاح وفی الھندیة ومجمع الانھر واما انه قول الشافعی وروایة عن احمد فیستفاد من شرح العینی علی متن النسفی، وقد ذکر الاتقانی انه الاصح عندھم نقل ذلك عن وجیزھم، وحکایته محمد ذکرھا الامام قاضیخاں فی فتاواه واماروایة عن عمرو علی رضی الله تعالٰی عنھما فالطوری فی شرح الکنز والسید احمد فی حاشیة الدر (قلت) ورأیت فی مسندالامام (ابوحنیفة) عن یونس بن محمد عن ابی جعفر محمد بن علی عن امیر المومنین علی بن ابی طالب رضی الله تعالٰی عنه انه کان لایضمن القصار والصباغ (واخری) زادفیھا ولاالحائك واما رجوع علی ان ھذا فالطحطاوی عن الاتقانی عن شرح الکافی، (قلت) ای للامام شیخ الاسلام الاسبیجابی وقد رأیته فی غایة البیان نقلاعنه واشار الیه المولی بحرالعلوم فی فواتح الرحموت واما حلوله محل الاجماع فالاتقانی ایضا حیث قال کان حکم شریح بحضرة الصحابة والتابعین من غیر نکیر فحل محل الاجماع اھ قلت فیه ان لانکیر علی القضاة فی الاجتھادیات فالسکوت فی امثال المقام لایدل علی الوفاق ونقل الاتقانی نفسه فقال قال شیخ الاسلام الاسبیجابی فی شرح الکافی قبیل باب الرجل یستصنع الشئی کانت المسئلة مختلفا فیھا بین الصحابة

والتابعین فابوحنیفة رجح اقوال البعض علی البعض اه واما نصوص الملتقی والوقایة والنقایة والاصلاح والکنز والغرر والتنویر والمنح والتاتارخانیة و البزازیة وفتوی ابی اللیث وقاضیخان وابن عبدالرشید وصاحب الذخیرة والابانة والعون فقد سمعت کل ذٰلک واما مجمع البحار فعزالیه فی ردالمحتار اثری الفتوی وعن الإمام الظهیری فی الخلاصة والخیریة والعٰلمیریة والعمدة والعمادیة والمنح وغیرها ورجوعه الی هذا فیها الاالخیریة وعن المضمرات والذخیرة ایضا فی شرح النقایة وعن التتمة والمحیط فی الایضاح شرح الاصلاح فی حاشیة الطحطاوی وردالمحتار، واما ان ترجیحه مقتضی صنیع الهدایة فلتقدیمه القول وتاخیره الدلیل واماانها هی ظاهر الروایة عن الامام فالشامی وغیره فی العقود الدریة وغیرها وامام الجزم به فی المتون والافتاء به فی عامة المعتبرات حتی کان هوالمذهب فقد سمعت نص المولیٰ ابی عبدالله محمد بن عبدالله التمرتاشی وتبعه أفندی شیخی زاده والمدقق الحصکفی و الله تعالٰی اعلم۔

بالجملہ مذہب امام غایت درجہ قوت وجلالت وثبات ومتانت پر واقع ہے،
بحیث لاتزعزع جوانبه صیحة صائح ولاتزلزل ارکانه صولة صائل وانا اقول ولله التوفیق (ایسے کہ اس کے اطراف کو کسی کی چیخ نے متاثر نہ کیا اور نہ ہی اس کے ستونوں کو کسی طاقتور کی طاقت نے جنبش دی۔)

ممارس فن جب بنگاہِ امعان ہمارے اس تلخیص عبارت وتحسین اشارت پر نظر کریں تو انشاء اللہ تعالیٰ اس پر مہر نیمروز و ماہِ نیم ماہ کی روش روشن و بین ہوگا کہ یہاں مذہب امام رضی اللہ عنہ بوجوہ کثیرہ اور اقوال پر جو اس کے مخالف ومنافی ہیں ترجیح واضح رکھتا ہے اگرچہ وہ بھی مذیل الافتاء واتصحیح ہوں کہ مطلقا اختلاف فتویٰ مستلزم تعادل واستواء نہیں۔

اولا عامہ متون نے اس پر جزم کیا اور علماء تصریح فرماتے ہیں کہ متون شروح اور شروح فتاویٰ پر مقدم ہیں وھذا یعرفہ کل من لہ معرفۃ فی الفقہ(یعنی اس کو فقہ کی معرفت والا ہر ایک جانتا ہے۔)

علامہ زین بن نجیم مصری بحر الرائق میں فرماتے ہیں: اذا اختلف التصحیح والفتوی فالعمل بما وافق اطلاق المتون اولی جب تصحیح اور فتویٰ میں اختلاف پایا جائے تو پھر متون کی موافقت میں عمل اولیٰ ہے۔

علامہ بیری شرح اشباہ میں غیر مذہب امام پر بعض جگہ فتوی دیا جانا ذکر کر کے کہتے ہیں: ینبغی ان یکون ھذا عند عدم ذکر اھل المتون للتصحیح والافالحکم بما فی المتون کما لایخفی لانھا صارت متواترۃ۔ یہ اس وقت مناسب ہے جب متون میں تصحیح کا ذکر نہ ہو ورنہ حکم وہی ہوگا جو متون نے بیان کیا جیسا کہ مخفی نہیں کیونکہ ایسے میں وہ حکم متواتر ہو جاتا ہے۔

محقق شامی آفندی حاشیہ در میں بحث تخییر مفتی وقت اختلاف میں لکھتے ہیں: اقول وینبغی تقیید التخییر ایضا بما اذا لم یکن احد القولین فی

المتون لما قد مناه أنفا عن البيری ولما فی قضاء الفوائت من البحر من انه اذا اختلف التصحیح والفتویٰ فالعمل بما وافق المتون اولی ۔میں کہتا ہوں اور مفتی کے اختیار پر یہ پابندی بھی مناسب ہے کہ جب متون میں کوئی قول نہ ہوتو پھر اسے ۲ اختیار ہے جیسا کہ ابھی ہم نے بیری سے نقل کیا ہے اور بحر کے قضاء الفوائت سے نقل کی وجہ سے جب تصحیح اورفتوی میں اختلاف پایا جائے تو متون کے موافق عمل بہتر ہے۔

ثانیا یہ قول ''قول امام ہےاور ہم قول امام سے عدول نہیں کرتے جب تک کوئی ضرورت یا ضعف حجت نہ ہواور یہاں ضعف کیسا؟۔۔۔۔علماء تصریح فرماتے ہیں کہ قول امام نہ ترک کیا جائے اگر چہ مشائخ دوسرے قول پر فتویٰ دیں چہ جائیکہ جمہور اکابر کا فتویٰ اسی طرف ہو۔پھر اسے مہجور کیا جائے۔

بحر الرائق میں ہے:بهٰذا ظهرانه لایفتی ولایعمل الابقول الامام الاعظم ولایعدل عنه الی قولهما اوقول احد هما اوغیرهما الالضرورة من ضعف دلیل اوتعامل بخلاف کالمزارعة وان صرح المشائخ بان الفتوی علی قولهما ۔اس سے یہ بات واضح ہوگئی کہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے قول پر فتویٰ دیا جائے گا اور عمل کیا جائے گا اور صاحبین رحمہما اللہ یا ان میں سے ایک یا کسی غیر کے قول کی طرف عدول نہ کیا جائے گا الا یہ کہ پیش کردہ دلیل کمزور ہو یا تعامل اس کے خلاف ہو مثلا مزارعت کا تعامل ورنہ مطلقا فتویٰ امام صاحب کے قول پر ہوگا اگر چہ مشائخ تصریح بھی کردیں کہ فتویٰ صاحبین کے قول پر ہے۔

اسی طرح علامہ فہامہ خیر الدین رملی نے اپنے فتاوی میں ذکر فرمایا: واولہ المقرر عندنا انہ لایفتی الخ واخرہ لانہ صاحب المذھب والامام المقدم۔ پہلی بات یہ ہے کہ ہمارے ہاں مسلمہ امر ہے کہ فتوی اور عمل امام صاحب کے قول پر ہی ہوگا، اور دوسری بات یہ ہے کہ آپ ہی صاحب مذہب اور اول امام ہیں۔

ردالمحتار میں ہے: وکذا لایتخیر (ای المفتی فی الافتاء بماشاء عنداختلاف الفتیا) لوکان احدھما قول الامام والاخر قول غیرہ لانہ لماتعارض التصحیحان تساقطا فرجعنا الی الاصل وھو تقدیم قول الامام الخ۔ یونہی مختار نہ ہوگا (یعنی فتاوی میں اختلاف کے موقع پر مفتی کو اپنی مرضی کا فتوی دینے کا اختیار نہیں) جبکہ ایک امام صاحب کا قول ہو اور مقابلہ میں کسی میں دوسرے کا قول ہو، کیونکہ تعارض کی صورت میں دونوں قول ساقط ہوجاتے ہیں تو ہم اصل کی طرف راجع ہوں گے اور وہ امام کے قول کا مقدم ہونا ہے الخ۔

ثالثا جمہور صحابہ وتابعین کا یہی قول ہے یہاں تک کہ قریب اجماع کہا گیا ولاشك ان قول الجمهور الذین منهم امامنا خیرلنا من بعض لیس هومنهم۔ اس میں شک نہیں کہ جمہور جن میں ہمارے امام بھی ہوں وہ ہمارے لئے بہتر ہیں ان لوگوں کے مقابلہ میں جو جمہور میں شامل نہ ہوں۔

رابعا خود حضور عالم ﷺ سے اس بارے میں حدیث مروی ہے بخلاف اور مذاہب کے کہ وہاں حدیث مرفوع کا نام بھی سننے میں نہ آیا۔

خامساً قول امام پر فتویٰ دینے والے اجلہ ائمہ، مالکان ازمہ ترجیح وافتاء، معروفین بالاتفاق، مشار الیہم بالبنان ہیں جیسے امام ابواللیث سمرقندی وامام محقق برہان الدین مرغینانی وامام ظہیر الدین مرغینانی وامام افتخار الملۃ والدین طاہر بن بخاری وغیرہم من الجلۃ الاکابر رحمہم اللہ بخلاف مذہب صاحبین کہ اس پر فتویٰ غالباً بالفاظ نکارت وابہام منقول ہوا۔ من الناس من افتی بقولھما (بعض لوگوں نے صاحبین کے قول پر فتویٰ دیا ہے۔) دوسری جگہ ہے: قول بعضھم بہ یفتی (بعض نے یہ فتویٰ دیا ہے۔) شرح کنز عینی میں ہے: بہ یفتی بعضھم (اسی پر بعض نے فتویٰ دیا ہے۔) خلاصہ وبزازیہ میں ہے: بعض العلماء اخذ وابقولھما (بعض علماء نے صاحبین کا قول لیا ہے۔) شاید یہی وجوہ ہیں کہ جس قدر کتابیں اس وقت فقیر کے پیش نظر ہیں ان میں یہ تو بکثرت ہے کہ صرف قول امام پر فتویٰ نقل کیا اور قول صاحبین کو ترجیح سے معریٰ رکھا اور اس کا عکس ہرگز نہ فرمایا جس سے ظاہر کہ علماء قول صاحبین پر مطمئن نہیں رہے، اور رہا تبیین کا حکم بقولھما یفتی (صاحبین کے قول پر ہی فتویٰ دیا جائے گا۔) سوان اکابر اساطین مذہب اور فاضل زیلعی میں جو فرق ہے کسے معلوم نہیں۔

سادساً جمہور کا فتویٰ اسی طرف ہے لما مران قد جعل الفتوی علیہ فی عامہ المعتبرا (یعنی جیسا کہ گزرا کہ عام معتبر کتب میں اس پر فتویٰ جاری ہوا) اور قول جمہور ہمیشہ منصور وغیر مہجور۔

الشامی عن الحاوی القدسی ان اختلفوا یوخذ بقول الاکثرین

ثم الاکثرین مما اعتمد علیه الکبار المعروفون منهم کابی حفص وابی جعفر وابی اللیث و الطحاوی وغیرهم ممن یعتمد علیه ۔ علامہ شامی نے حاوی قدسی سے نقل کیا ہے کہ اگر فقہاء کا اختلاف ہو تو اکثریت کے قول کو لیا جائے گا پھر اکثریت ان لوگوں کی جن پر مشہور اکابر نے اعتماد کیا ہو ان میں جیسا کہ ابو حفص، ابو جعفر، ابواللیث اور طحاوی وغیرہم معتمد علیہ لوگ ہیں۔

سابعاً اس قول پر فتویٰ دینے والے ایک امام علامہ فخر الملۃ والدین حسن بن منصور اوز جندی ہیں رحمۃ اللہ علیہ اور یہ امام فارس میدان ترجیح وتصحیح ہیں جن کی نسبت علماء تصریح فرماتے ہیں کہ ان کی تصحیح اوروں کی تصحیح پر مقدم ہے، ان کے فتویٰ سے عدول نہ کیا جائے۔

علامہ خیر الدین رملی حاشیہ جامع الفصولین میں فرماتے ہیں: علیك بما فی الخانیة فان قاضیخان من اهل التصحیح والترجیح ۔ خانیہ کا بیان کردہ تجھ پر لازم ہے کیونکہ قاضیخاں اہل تصحیح وترجیح میں سے ہیں۔

علامہ قاسم تصحیح القدوری میں فرماتے ہیں: مایصححه قاضیخان من الاقوال یکون مقدما علی مایصححه غیر لانه کان فقیه النفس۔ قاضیخاں کا تصحیح کردہ قول دوسرے کی تصحیح پر مقدم ہے کیونکہ وہ فقیہ النفس ہیں۔

سید احمد حموی غمز العیون میں اسے نقل کر کے مقرر رکھتے ہیں، فاضل سید احمد طحطاوی حاشیہ درمختار میں لکھتے ہیں: الذی یظهر اعتماد مافی الخانیة لقولهم ان قاضیخان من اجل من یعتمد علی تصحیحاته۔ قاضی خاں کے بیان پر

اعتماد کی وجہ فقہاء کا یہ فرمان ہے کہ قاضی خاں وہ جلیل الشان شخص ہیں جن کی تصحیحات پر اعتماد کیا جاتا ہے۔

فاضل محمد امین ابن عابدین عقود الدریہ میں فرماتے ہیں: مایصححه قاضی خان مقدم علی مایصححه غیره ۔ قاضی خاں کی تصحیح شدہ غیر کی تصحیح شدہ پر مقدم ہے۔

اب تو بحمد اللہ عرش تحقیق مستقر ہو گیا کہ اس مسئلہ میں قول امام بلاشبہ امام الاقوال واقوی لاقوال ہے جس سے بلاضرورت ہرگز تجاوز نہ چاہئے، یہ تو اصل مذہب پر بحث تھی، اگر بنظر تغیر زمان آرائے علمائے خلف پر نظر کیجئے تو یہاں جماعت کثیرہ ائمہ متاخرین کا قول قوی باشوکت مرجح مصحح مفتی بہ یہ ہے کہ اگر اجیر مرد صالح ومتدین ہے تو ضمان نہیں اور خائن دغاباز ہے تو ہے اور مستور الحال ہے تو نصف قیمت پر صلح کرلیں۔

صاحب محیط نے فوائد میں اس پر جزم فرمایا: کما فی الخیریة عن جامع الفصولین جیسا کہ خیریہ میں جامع الفصولین سے منقول ہے۔

بہت بعد متاخرین نے اس پر فتوی دیا، کما فی الحامدیة (جیسا کہ حامدیہ میں ہے۔) بلکہ علامہ حامد آفندی فرماتے ہیں فقیہین جلیلین ابوجعفر وابواللیث نے بھی اسی کو اختیار فرمایا اور فرماتے ہیں یہ قول سب سے اولیٰ اور اسلم ہے اور یہی فتویٰ ہے امام جلال الدین زاہدون کا، کما فی منح الغفار والطحطاویة (جیسا کہ منح الغفار اور طحطاوی میں ہے۔) علامہ خیر الدین رملی استاد صاحب درمختار، علامہ اسعد

مدنی مفتی مدینہ منورہ تلمیذ صاحب مجمع الانہر اپنے فتاوی میں فرماتے ہیں: بما احسن التفصیل الاخیر (آخری تفصیل کیا ہی اچھی ہے۔)

فاضل شامی فرماتے ہیں: قد اختلف الافتاء وقد سمعت مافی الخیریۃ۔ فتوے مختلف ہیں جبکہ آپ نے خیریہ کا بیان سن لیا ہے۔

اور فی الواقع یہ اس اعلیٰ درجہ نفاست ومتانت واحتیاط رزانت ومراعاتِ جانبین وحفظِ مذہب ولحاظِ زمانہ پر واقع اور تمام خوبیوں کا جامع ہے کہ خواہی نخواہی قلوب اس خاطر جھک جائیں اور تشتتِ قوال وفتاویٰ کے پریشان کئے ہوئے ذہن اسے سنتے ہی سکون واطمینان پائیں، ہم امید کرتے ہیں کہ اگر امام یہ زمانہ پاتے اور اس قول کو ان کے حضور عرض کیا جاتا بیشک پسند فرماتے، اس قول پر بھی ما نحن فیہ (زیر بحث مسئلہ) میں ضمان لینا جائز نہیں کہ سائل تصریح کرتا ہے کہ وہ پیشہ ور معتبر دیانتدار ہے سالہا سال سے کام کرتا رہا کبھی اس سے کوئی خیانت ما حفظ میں غفلت واقع نہ ہوئی برسوں کے بعد اتفاقا اس کے پاس سے یہ مال گم ہوگیا، یوں تو آدمی کے پاس اپنا مال باوجود حفظ تام واحتیاط کامل ضائع وہلاک ہوجاتا ہے، پھر یہ نہ کہا جائے گا کہ وہ اپنے مال میں خائن ہے۔

بالجملہ جہاں تک نظر فقہی کی مجال ہے صورت مستفسرہ میں ضمان نہ آنا ہی اقوی الاقوال ہے۔

ولئن تتنزلنا فلاشك فی شدۃ قوتہ وانہ لمن احسن ماافتی بہ فلایمکن حجر المفتی عن الافتاء بہ ابدا فیاخیبۃ من حکم علیہ بالغلط

بغيا وحسدا و كيف يسوغ ذلك مع اختلاف الفتيا هنالك ولك الحسد حسك من تعلق به هناك وفيما ذكرنا عبرة لمن اعتبر وتذكرة لمن اراد ان يتذكر وهو جملة يسيرة من مباحث كثيرة فلئن قنع فقيه مقنع والافعندنا بحمدالله افواج من الكلام في ميدان هذا المقام فيها العدد والعدة والباس والشدة فلئن لم ينته فسيرى ان شاء الله تعالٰى شوارق تحقيقات زهرت فبهرت عيون المنافقين وبوارق تدقيقات سطحت فقطعت قلوب العارضين وقوله وانا متبرى من الحول والقوة اذلاحول ولاقوة الابالله العلى العظيم وصلى الله تعالٰى على سيدنا ومولٰنا محمد واله وصحابه اجمعين أمين!

(فتاوی رضویہ جلد 19 صفحہ 407.420)

مزید تفصیل اور اس کا پریکٹیکل دیکھنا ہو تو علامہ قاسم بن قطلو بغا رحمۃ اللہ علیہ کی "تصحیح القدوری" کا مطالعہ فرمائیں۔ اس کے چند صفحات پڑھ کر ہی الفاظِ افتاء کے استعمال کا علم ہو جائے گا۔

صحیح اور اصح کے مسئلے کی تفصیل

صحیح اور اصح کے مسئلے میں تفصیل ہے اور اس میں مختلف اقوال ہیں:

(1) بعض نے فرمایا کہ "ھو الاصح" کو "ھو الصحیح" پر ترجیح دی جائے گی کیونکہ "ھو الاصح" کا مطلب ہے "یہی زیادہ صحیح ہے" جبکہ "ھو الصحیح" کا

مطلب ہے ''یہی صحیح ہے'' تو جو زیادہ صحیح ہے وہی راجح ہوگا۔

(2) اور بعض نے فرمایا کہ ''ھو الصحیح'' کو ''ھو الاصح'' پر ترجیح دیں گے کیونکہ جب ''ھو الصحیح'' کا مطلب ہے کہ یہی صحیح ہے تو اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ دوسرا قول فاسد ہے۔ گویا ''صحیح'' کے قائل کا قول دوسرے کے نزدیک بھی صحیح ہے لیکن زیادہ صحیح دوسرا قول ہے جبکہ ''اصح'' کے قائل کا قول ''صحیح'' والے کے نزدیک فاسد ہے تو جس قول کے صحیح ہونے پر دونوں متفق ہیں اسی کو ترجیح دی جائے گی۔ لیکن یہ یاد رہے کہ ہر جگہ ایسا نہیں ہوتا کہ ''اصح'' والا قول دوسرے کے نزدیک فاسد ہی ہو۔

(3) اگر ''ھو الاصح'' اور ''ھو الصحیح'' دونوں الفاظ ایک ہی کتاب میں ایک ہی امام کے ہوں تو لازمی طور پر ''ھو الاصح'' والے قول کو ترجیح دیں گے کیونکہ یہاں متعین ہے کہ یہ زیادہ صحیح دوسرے قول کے مقابلے میں ہی کہا گیا ہے۔ ہاں کبھی کبھار یہ ہو سکتا ہے کہ وہاں کوئی تیسرا قول بھی ہو اور یہ کلام اس تیسرے قول کے اعتبار سے کیا گیا ہو۔

(4) اگر دو اقوال ہیں اور دونوں کے ساتھ ایک ہی طرح کے الفاظ ہیں تو مفتی کو اختیار ہے کہ جس قول پر چاہے فتوی دے۔

(5) چوتھے قول پر عمل اس صورت میں کیا جائے گا جب تصحیح کرنے والے فقہاء کرام درجے میں برابر ہوں۔ اگر ایک دوسرے سے علم میں زیادہ ہے تو زیادہ علم والے کی تصحیح کو ترجیح دیں جیسے ایک قول کو ''فتاوی قاضی خان'' میں صحیح کہا گیا جبکہ دوسرے

قول کو "فتاوی بزازیہ" میں صحیح کہا گیا تو "فتاوی قاضی خان" کی تصحیح راجح ہوگی کیونکہ علامہ قاضی خان علیہ الرحمۃ کا علمی مرتبہ زیادہ بلند ہے۔

(6) اگر ایک قول کے ساتھ "اصح یا احوط یا ارفق یا اولیٰ وغیرھا" کے الفاظ ہوں تو یہ اس بات کی علامت ہوتے ہیں کہ دوسرا قول بھی صحیح ہے لیکن جن اقوال کے ساتھ یہ الفاظ مذکور ہیں انہیں اختیار کیا جائے۔

مفہوم کی مباحث

مفہوم کی دو قسمیں ہیں۔ (1) مفہوم موافق (2) مفہوم مخالف۔

مفہوم موافق کی وضاحت

"جس شے کا حکم کلام میں صراحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے اسی حکم کی دوسری وہ صورت جسے بیان نہیں کیا گیا اسے پہلے والی دلیل ہی سے ثابت کیا جائے اور یہ ثابت کرنا قیاس واجتہاد کے ذریعے نہ ہو بلکہ صرف کلام کو سمجھنے کے ساتھ ہی ہو جائے۔" اس کے لئے دوسرا لفظ "دلالۃ النص" کا استعمال کیا جاتا ہے۔

مثال: قرآن پاک میں فرمایا گیا: ﴿ولا تقل لهما اف﴾ "اور ماں باپ کو اف تک نہ کہو" یہ کلام سنتے ہی بغیر قیاس واجتہاد کے سمجھ آجاتا ہے کہ جب اف کہنا منع ہے تو ماں باپ کو مارنا اور گالی دینا تو بطریق اولیٰ منع ہے۔

مفہوم مخالف کی وضاحت

"جس شے کا حکم کلام میں صراحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے اسی حکم کے برعکس حکم کو، بیان نہ کی جانے والی صورت کیلئے اسی دلیل سے ثابت کیا جائے"

مثال: قرآن پاک میں فرمایا گیا:

﴿وَإِن كُنَّ أُولَاتِ حَمْلٍ فَأَنفِقُوا عَلَيْهِنَّ حَتَّى يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ﴾

ترجمہ کنز العرفان: اور اگر وہ حمل والیاں ہوں تو ان پر خرچ کرتے رہو یہاں تک کہ وہ بچہ جن دیں۔

(پارہ 28 سورہ طلاق 6)

اس آیت میں ان طلاق بائن والی عورتوں کیلئے نفقہ کا ثبوت ہے جو حاملہ ہوں اب دلیل سے یہ سمجھنا کہ جو غیر حاملہ ہو اسے خرچہ نہیں ملے گا یہ مفہوم مخالف ہے۔

احناف وشوافع میں اختلاف

مفہوم موافق تو احناف وشوافع سب کے نزدیک معتبر ہے لیکن مفہوم مخالف شوافع کے نزدیک معتبر ہے جبکہ احناف کے نزدیک اللہ عزوجل اور رسول اللہ ﷺ کے کلام میں عقوبات کے علاوہ میں معتبر نہیں۔ اسکے علاوہ صحابہ کے عقلی کلام، فقہاء کے کلام اور عوام الناس کے کلام میں معتبر ہے۔

مفہوم مخالف معتبر ہے یا نہیں؟

مفہوم مخالف معتبر ہے یا نہیں؟ اس سلسلے میں علماء نے کافی تفصیل سے کلام کیا ہے۔ احناف وشوافع کا اس مسئلے میں اختلاف ہے۔ ان مباحث سے قطع نظر ہم اس بارے میں احناف کا مختار موقف نقل کرتے ہیں۔ اس مسئلے کی حاجت اس لئے ہے کہ کوئی شخص اس وقت تک مفتی نہیں بن سکتا جب تک وہ فقہاء کرام کی

کتابوں میں سے مفہوم موافق اور مفہوم مخالف سے استدلال کرنے کی صلاحیت حاصل نہیں کر لیتا نیز قرآن و حدیث سے استدلال کی صلاحیت بھی حاصل نہیں ہوسکتی جب تک مفہوم کی اقسام اور ان کے ذریعے استدلال کے طریقوں سے واقف نہیں ہو جاتا۔

چنانچہ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: فقہ یہ نہیں کہ کسی جزئیہ کے متعلق کتاب سے عبارت نکال کر اس کا لفظی ترجمہ سمجھ لیا جائے یوں تو ہر اعرابی، ہر بدوی فقیہ ہوتا کہ ان کی مادری زبان عربی ہے بلکہ فقہ بعد ملاحظہ اصولِ مقررہ وضوابطِ محررہ ووجوہِ تکلم وطرقِ تفاہم وتنقیحِ مناط ولحاظِ انضباط ومواضعِ یسر واحتیاط وتجنبِ تفریط وافراط وفرقِ روایاتِ ظاہرہ ونادرہ وتمیز درآیاتِ غامضہ وظاہر ومنطوق ومفہوم وصریح ومحتمل وقولِ بعض وجمہور ومرسل ومعلل ووزنِ الفاظِ مفتین وسیرِ مراتبِ ناقلین وعرفِ عام وخاص وعاداتِ بلاد واشخاص وحالِ زمان ومکان واحوالِ رعایا وسلطان وحفظِ مصالحِ دین ودفعِ مفاسدِ مفسدین وعلمِ وجوہِ تجریح واسبابِ ترجیح ومناہجِ توفیق ومدارکِ تطبیق ومسالکِ تخصیص ومناسکِ تقیید ومشارعِ قیود وشوارعِ مقصود وجمعِ کلام ونقدِ مرام فہمِ مراد کا نام ہے کہ تطلعِ تام واطلاعِ عام ونظرِ دقیق وفکرِ عمیق وطولِ خدمتِ علم وممارستِ فن وتیقظِ وافی وذہنِ صافی معتادِ تحقیق مؤید بتوفیق کا کام ہے اور حقیقۃً وہ نہیں مگر ایک نور کہ رب عزوجل بمحض کرم اپنے بندہ کے قلب میں القاء فرماتا ہے: ﴿وما یلقّٰھا الا الذین صبروا وما یلقّٰھا الا ذو حظ عظیم﴾ اور یہ دولت نہیں ملتی مگر صابروں کو، اور اسے نہیں پاتا مگر بڑے نصیب والا۔

صدہا مسائل میں اضطراب شدید نظر آتا ہے کہ ناواقف دیکھ کر گھبرا جاتا ہے مگر صاحب توفیق جب ان میں نظر کو جولان دیتا اور دامنِ ائمہ کرام مضبوط تھام کر راہ تنقیح لیتا ہے توفیق ربانی ایک سررشتہ اس کے ہاتھ رکھتی ہے جو ایک سچا سانچا ہو جاتا ہے کہ ہر فرع خود بخود اپنے محمل پر ڈھلتی ہے اور تمام تخالف کی بدلیاں چھنٹ کر اصل مراد کی صاف شفاف چاندنی نکلتی ہے اس وقت کھل جاتا ہے کہ اقوال کہ سخت مختلف نظر آتے تھے حقیقۃً سب ایک ہی بات فرماتے تھے، الحمدللہ فتاوائے فقیر میں اس کی بکثرت نظیریں ملیں گی۔

(فتاویٰ رضویہ جلد 16 صفحہ 376,377)

مفتی عرف سے واقف ہو

مفتی کا عرف اور الفاظ کے استعمال سے واقف ہونا بہت ضروری ہے کیونکہ طلاق وغیرہ کے بیسیوں مسائل میں طلاق کا فتوی دینے کا دارومدار الفاظ کی پہچان اور ان کے استعمال کی معرفت ہے۔ اگر مفتی کو یہ معلوم نہ ہوگا کہ اہلِ زبان اس لفظ کو کس معنیٰ میں استعمال کرتے ہیں اور اس سے کیا کیا مراد لیتے ہیں تب تک اس کے فتوے کا درست ہونا ممکن نہیں۔

چنانچہ بحر میں امام کردری رحمۃ اللہ علیہ کی مناقب الامام الاعظم سے نقل کیا ہے کہ امام محمد رنگریزوں کے پاس جایا کرتے تھے اور ان کے معاملات کے بارے میں اور ان کے آپس کے کاروبار کے بارے میں ان سے معلومات حاصل کیا کرتے تھے۔

عرف کی بحث

مفتی کیلئے عرف سے واقف ہونا نہایت ضروری ہے کیونکہ اگر عرف کی پہچان نہ ہوگی تو بیسیوں جگہ خطا کا امکان ہوگا۔

اسی لئے علماء فرماتے ہیں:

"من لم یعرف اهل زمانه فهو جاهل"

ترجمہ: جو اپنے اہل زمانہ کا عرف نہیں جانتا وہ جاہل ہے۔

عرف کی تعریف

ماالستقر فی النفوس من جهة العقول وتلقته الطباع السليمة بالقبول"

ترجمہ: عرف وہ ہے جو عقلوں کے اعتبار سے دلوں میں قرار پکڑ چکا ہو اور سلیم الفطرت طبیعتوں نے اسے قبول کرلیا ہو۔"

عرف کا ثبوت قرآن وحدیث سے ہے

چنانچہ درج ذیل آیت میں عرف کے اعتبار سے ہی حکم دیا گیا ہے:

﴿وَعَلَى الْمَوْلُودِ لَهُ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ﴾

ترجمہ کنزلعرفان: اور جس کا بچہ ہے اس پر رواج کے مطابق عورتوں کے کھانے اور پہننے کی ذمہ داری ہے۔

(سورۃ البقرۃ:233)

فقہاء کرام کی کتابوں کا مطالعہ کریں تو آپ پر واضح ہوگا کہ بہت سے

احکام وہ ہیں جن میں انہوں نے مسائل کا دارومدار عرف پر رکھا ہے اور بعد میں آنے والے فقہاء نے عرف کے بدلنے کی وجہ سے ان مسائل میں دوسرا فتوی دیا۔ بلکہ اگر بغور مطالعہ کیا جائے تو کتنے ہی ایسے مسائل ہیں جن میں امامِ اعظم امام ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ نے کوئی فتوی دیا اور بعد میں آنے والے فقہاء نے عرف بدلنے کی وجہ سے اس کے برخلاف فتوی دیا۔

یہاں ہم چند مثالیں بیان کرتے ہیں جن سے واضح ہوگا کہ کس طرح عرف کے بدلنے سے مسائل بدل جاتے ہیں یا عرف وتعامل کی بنا پر فتوی دیا جاتا ہے۔

مثال نمبر1: احناف کا اصل مذہب یہ ہے کہ تعلیم قرآن پر اجارہ ناجائز ہے لیکن بعد کے علماء نے ضرورت وتعامل کی وجہ سے اس کے جواز کا فتوی دیا۔

مثال نمبر2: امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ بادشاہ کے علاوہ کسی کا اکراہِ شرعی معتبر نہیں لیکن بعد کے علماء نے فتوی دیا کہ بادشاہ کے علاوہ بھی اکراہِ شرعی معتبر ہے کیونکہ اب بدمعاش بھی اسی طرح اکراہ کرنے پر قادر ہیں جیسے بادشاہ ہوتے تھے۔

مثال نمبر3:

اصل مذہب ہے کہ فساد کے لئے برانگیختہ کرنے والے پر تاوان نہیں بلکہ فساد کرنے والے پر تاوان ہے لیکن بعد کے علماء نے فتوی دیا کہ فسادی کے ساتھ ساتھ فساد کے لئے کوشش کرنے والے پر بھی تاوان لازم آئے گا۔

مثال نمبر4:

اصل مذہب یہ ہے کہ اجیر مشترک پر تاوان لازم نہیں لیکن بعد کے علماء نے

فتوی دیا کہ اجیر مشترک پر بھی تاوان لازم ہے کیونکہ اب لوگوں میں وہ دیانتداری باقی نہیں رہی۔

مثال نمبر5:

یتیم کے مال کا محافظ وصی یتیم کے مال کو خود مضاربت کے طور پر نہیں لے سکتا کہ اس کے مال سے تجارت کر کے کچھ نفع اسے دیدے اور کچھ خود رکھ لے جبکہ اصولا اس میں کوئی حرج نہیں۔

مثال نمبر6:

فقہ حنفی کا اصل حکم یہ ہے کہ کسی کی زمین یا مکان پر قبضہ کیا اور ایک عرصے بعد واپس کر دیا تو اتنے عرصے کا کرایہ دینا لازم نہیں آتا لیکن یتیم اور وقف کے مال کے بارے میں علماء نے فرمایا ہے کہ اگر کسی نے غصب کیا تو اس پر اس عرصے کا تاوان لازم آئے گا۔

مثال نمبر7:

فقہ حنفی کا اصل حکم یہ ہے کہ وقف کی زمین کو جتنے عرصے کیلئے چاہیں کرائے پر دے سکتے ہیں لیکن بعد کے علماء نے فتوی دیا کہ زمین کو تین سال اور مکان کو ایک سال سے زائد عرصے کیلئے کرایے پر نہیں دے سکتے کیونکہ زیادہ عرصہ کرائے پر دینے کی صورت میں لوگ ایک مدت کے بعد اس پر اپنی ملکیت کا دعوی کر سکتے ہیں لہذا وقف کو نقصان سے بچانے کیلئے یہ فتوی دیا گیا۔

مثال نمبر8:

کھیتوں کو بٹائی پر دینے کے بارے میں امام اعظم کا فتوی ناجائز ہونے

کا ہے جبکہ امام ابو یوسف اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے تعامل کی وجہ سے اس کے جائز ہونے کا فتوی دیا۔

مثال نمبر 9:

آزاد عاقلہ بالغہ اگر اپنے ولی کی اجازت کے بغیر غیر کفو میں نکاح کرے تو حالاتِ زمانہ کو دیکھتے ہوئے علماء نے فتوی دیا ہے کہ وہ نکاح اصلا منعقد ہی نہیں ہوگا جبکہ اصل مذہب میں نکاح ہو جاتا ہے۔

مثال نمبر 10:

تعامل کی وجہ سے حمام وغیرہ میں نہانے کے اجارے کو جائز قرار دیا ہے حالانکہ معلوم نہیں کہ نہانے والا کتنا پانی استعمال کرے گا۔

یہ چند مثالیں بیان کی گئی ہیں جن سے یہ بات واضح طور پر سمجھ آتی ہے کہ عرف کی وجہ سے مسائل میں تبدیلی ہوتی ہے۔لہذا اگر عرف و تعامل کی وجہ سے کسی مسئلے میں فقہ حنفی کے اصل حکم کے برخلاف کوئی فتوی دیا گیا تو اس وجہ سے فتوی دینے والا فقہ حنفی سے خارج نہیں ہوگا کیونکہ اگر اس زمانے میں خود ہمارے امام بھی تشریف فرما ہوتے تو وہ بھی یہی فتوی دیتے جو عُرف کی وجہ سے اب کے علماء نے دیا ہے اور یہی وہ چیز ہے جس نے علماء میں ہمت پیدا کی کہ وہ اپنے امام کے اقوال موجود ہونے کے باوجود ان کے برخلاف فتوی دیں۔

پھر بعض اوقات یہ بھی ہوتا ہے کہ ایک مسئلے میں عرف کی وجہ سے تبدیلی کی جاتی ہے لیکن کچھ عرصے بعد وہ عرف بھی ختم ہو جاتا ہے اور کوئی نیا عرف پیدا ہو جاتا

ہے تو اب دوسرے عرف کے مطابق دیا گیا فتوی بھی تبدیل کر کے تیسرے عرف کے مطابق فتوی دیا جائے گا۔

عرف کی بنا پر کون مسائل میں تبدیلی کر سکتا ہے؟

عرف کی بنا پر مسائل تبدیل ہوتے ہیں لیکن یہ اختیار کسے ہے اس کا سمجھنا نہایت ضروری ہے۔ فی زمانہ لوگوں کی جو روش دیکھنے میں آ رہی ہے وہ یہ ہے کہ جو لوگ علم میں جتنے ناقص اور فتوی دینے میں جتنے کمزور ہیں وہ عرف کی بنا پر فیصلہ کرنے میں اتنے ہی تیز ہیں اور جو علماء علم میں جتنے بلند رتبہ والے اور فتوی دینے میں جتنے محتاط ہیں وہ عرف و تعامل کی بنا پر فتوی دینے میں اتنے ہی خائف ہوتے ہیں۔ ان دوسری قسم کے علماء کا عمل قابلِ تقلید ہے اور یہ علماء لائقِ تحسین ہیں کیونکہ اصلِ فرق ان دونوں قسم کے علماء میں یہ ہے کہ دوسری قسم کے علماء چونکہ عرف کی حقیقت، عرف کی اقسام، عرف کے استعمال اور مسائل کی نوعیت اور عرف کی وجہ سے مسئلہ تبدیل کرنے کی نزاکت اور اللہ کی بارگاہ میں گرفت کو سامنے رکھتے ہیں اس لئے وہ مسائل میں تبدیلی سے اتنا ہی ڈرتے ہیں جبکہ پہلی قسم کے علماء ان باتوں کو نہ سمجھنے کی وجہ سے اتنے ہی جری ہوتے ہیں۔ علماء نے یہاں ایسے مفتی کی شرائط بیان کی ہیں جسے یہ اجازت ہے کہ وہ عرف کی بنا پر مسائل میں تبدیلی کر سکے۔ وہ شرائط یہ ہیں:

(1) مفتی شرعی قواعد کا جاننے والا ہو۔

(2) اصول و فروع پر اس کی گہری نظر ہو۔

(3) اس مسئلہ میں متقدمین علماء کے فتاوی جانتا ہو۔

(4) عرف کے احکام سے مکمل طور پر آگاہ ہو۔

(5) عرف صحیح اور عرف فاسد میں تمیز کرنے پر قادر ہو۔

(6) عرف خاص اور عرف عام کی مکمل معلومات ہوں۔

(7) جس عرف میں بطورِ خاص کلام کرنا ہے اس عرف کے بارے میں مکمل معلومات ہوں کہ یہ عرف موجود بھی ہے یا نہیں؟ یہ نہ ہو کہ دس بارہ آدمیوں سے معلومات ملی تو اسے عرف قرار دے کر فتوی تبدیل کر دیا۔

(8) مسائل شرعیہ میں علماء نے جو قیود اور شرائط ذکر کی ہیں انہیں اور ان کے علاوہ جن قیود کو ذکر نہیں کیا انہیں بھی جانتا اور سمجھتا ہو۔ بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ علماء کسی چیز کو ذکر کرتے ہیں اور اس کی شرائط کا یا تو ذکر نہیں کرتے یا پھر ایک آدھ شرط کو ذکر کرتے ہیں اور بقیہ شرائط کو مفتی کے فہم پر چھوڑ دیتے ہیں ان مقامات کا سمجھنا مفتی کیلئے نہایت ضروری ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ کوئی شرط فی نفسہ موجود ہو اور مفتی اپنی کم فہمی کی وجہ سے اس شرط کے بغیر مسئلے کا جواب دیدے۔

(9) فتوی نویسی اور مسائل کی بنا پر مسائل میں تبدیلی با قاعدہ کسی ماہر مفتی کی خدمت میں رہ کر سیکھ چکا ہو اور اس کی مشق کر چکا ہو۔ اسی وجہ سے منیۃ المفتی کے آخر میں تحریر ہے کہ اگر کوئی شخص فقہاء کی تمام کتابیں حفظ بھی کر لے تب بھی اس کیلئے کسی کی خدمت میں بیٹھ کر فتوی کی مشق کرنا ضروری ہے کیونکہ بہت سے مسائل میں اپنے زمانے کے لوگوں کی عرف و عادت اور احوال کو سامنے رکھ کر جواب دینا ہوتا ہے اور

یہ بات آدمی کو خود بخود معلوم نہیں ہوتی بلکہ اس کا استاد ہی اسے یہ بات سمجھاتا اور سکھاتا ہے۔

عرف اور اصلِ حکم میں تعارض کا حکم

جب عرف اصل حکمِ فقہی کے مقابلے میں آجائے تو مفتی کیلئے ضروری ہے کہ عرف کے قواعد کا خیال رکھتے ہوئے عرف کے مطابق فتوی دے اور فقہ کی صرف ظاہری عبارتوں کو دیکھ کر فتوی نہ دے۔

عرف کی اقسام

عرف کی دو قسمیں ہیں: (1) عرف عام (2) عرف خاص۔

عرف عام وہ ہے جو بہت سارے شہروں کا غالب عرف ہو اور عرف خاص وہ ہے جو خاص علاقے یا خاص قوم کا عرف ہو۔

عرف عام کے ذریعے قیاس کو ترک بھی کیا جاتا ہے اور نص یعنی حدیث وغیرہ کے احکام میں تخصیص بھی کی جاتی ہے لیکن نص کا ترک نہیں کیا جا سکتا جبکہ عرفِ خاص کی وجہ سے نہ تو نص کو ترک کیا جا سکتا ہے اور نہ نص کی تخصیص کی جا سکتی ہے۔عرف خاص کا استعمال نکاح، طلاق، قسم، نذر وغیرہ کے الفاظ میں کیا جاتا ہے یعنی ان چیزوں کے بارے میں کوئی قوم یا علاقے والے جو الفاظ جن معانی میں استعمال کرتے ہیں وہی معانی مراد لئے جائیں گے اور انہی کے مطابق احکام جاری کئے جائیں۔اسی وجہ سے جب تک کوئی شخص کسی قوم یا علاقے یا زبان والوں کے بارے میں کسی لفظ کی مکمل پہچان نہیں رکھتا تب تک ان الفاظ کے بارے میں ان

لوگوں کو فتوی نہ دے۔ مثلا جو شخص پشتو یا پنجابی نہیں جانتا وہ ان زبان والوں کو ان کے الفاظ کے متعلق فتوی نہ دے جب تک ان الفاظ اور ان کے استعمال کے بارے میں مکمل تحقیق نہ کر لے۔

عرف عام کی آسان الفاظ میں تفہیم

عرف عام کے بارے میں ہم نے جو کلام کیا ہے اس کو درج ذیل مثالوں سے بآسانی سمجھ سکتے ہیں۔

مثال نمبر 1:

نبی کریم ﷺ نے اس طریقے سے منع فرمایا کہ کوئی شخص چکی والے کو آٹا پیسنے کیلئے غلہ دے اور پھر اسی غلے سے اس کی اجرت مقرر کرے جیسے چکی والے کو دو من گندم دے کر کہا کہ اس کا آٹا پیس دو اور پھر اسی آٹے میں سے چار کلو اجرت کے طور پر رکھ لو۔ اب اسی صورت پر علماء نے قیاس کرتے ہوئے فرمایا کہ کسی شخص نے کسی کو سوت دیا کہ اس کا کپڑا بناؤ اور اجرت کے طور پر اسی کپڑے کا کچھ حصہ رکھ لو۔ گندم والی صورت کو ہم ''منصوص'' کہیں گے اور سوت اور کپڑے والی صورت کو ہم ''نظیر'' کہیں گے اور اس کا حکم بھی وہی ہوگا کہ یہ ناجائز ہے۔ اب اگر کسی ملک کے تمام شہروں میں رائج ہو جائے کہ گندم کی پسوائی میں آٹا دیتے ہیں اور سوت سے کپڑا بنانے کی اجرت میں وہی کپڑا دیتے ہیں تو اب عرف وتعامل تو دونوں چیزوں میں پایا گیا لیکن عرف وتعامل کی وجہ سے گندم والی صورت کو جائز قرار نہیں دیں گے کیونکہ یہاں ''نص یعنی حدیث'' کی صراحتا مخالفت لازم آرہی ہے اور اسے ترک کرنا پایا

جارہا ہے لیکن سوت سے کپڑا بنانے والی صورت میں عرف وتعامل کی وجہ سے جواز کا فتوی دیں گے کیونکہ اس سے ''نص'' کا ترک لازم نہیں آرہا بلکہ ایک صورت کو نص سے علیحدہ کرلینا لازم آرہا ہے اور یہ جائز ہے لیکن اگر اسی جگہ عرف عام اور تعامل کی بجائے عرف خاص ہوتا تو ان کاموں کو جائز قرار نہ دیا جاتا کیونکہ عرف خاص کی وجہ سے نص کی تخصیص نہیں کی جاتی۔

مثال نمبر 2:

نبی کریم ﷺ نے معدوم کی خرید وفروخت سے منع فرمایا یعنی جو چیز موجود ہی نہیں اس کو خریدنا اور بیچنا منع ہے لیکن اس کے باوجود ''بیع استصناع'' جائز ہے۔ ''بیع استصناع'' یہ ہوتی ہے کہ کسی سے کوئی ایسی چیز خریدی جائے جو اس وقت اس کے پاس نہیں لیکن وہ بنا کردے گا جیسے جوتے وغیرہ اس طرح خریدے جاتے ہیں۔ اسے ہماری زبان میں ''آرڈر پر خریدنا یا آرڈر پر بنوانا'' کہہ سکتے ہیں۔ اب یہاں غور فرمائیں کہ حدیث میں ایک عام حکم بیان کیا گیا لیکن تعامل اور عرف کی وجہ سے ایک صورت کو اس میں سے خاص کرلیا گیا تو یہ خاص کرنا جائز ہے کیونکہ اس کی وجہ سے یہ نہیں ہورہا کہ حدیث پر عمل کو بالکل چھوڑا جارہا ہے بلکہ دیگر مقامات میں حدیث پر عمل کیا جارہا ہے اور جہاں تعامل اور عرف عام ہے وہاں رخصت دی جارہی ہے۔

عرف کی مزید اقسام

عرف کی دو قسمیں ہیں: (1) عرف صحیح (2) عرف فاسد۔

عرف صحیح وہ ہے جس کا شریعت میں اعتبار ہے اور اس کی وجہ سے مسائل میں تبدیلی ہوتی ہے جبکہ عرف فاسد وہ ہے جس کا کوئی اعتبار نہیں جیسے لوگوں کا سود کھانے، نماز نہ پڑھنے، داڑھی منڈانے پر عرف ہے تو یہ عرف فاسد ہے اور اس کی وجہ سے مسائل میں ہرگز ہرگز ایک ذرہ برابر تبدیلی نہیں ہو سکتی۔

مفتی کیلئے عرف عام کا لحاظ کرنا ضروری ہے

جیسا کہ یہ بات ہم پہلے بھی لکھ چکے ہیں کہ مفتی کیلئے عرف عام کا لحاظ کرنا ضروری ہے کیونکہ اگر وہ عرف کا لحاظ نہیں کرے گا تو لوگوں کے حقوق ضائع کرے گا اور کئی مقامات پر اس کے فتوے کی وجہ سے ظالموں کو مزید ظلم کرنے کی رخصت مل جائے گی۔

جیسے فقہاء کرام نے اسکی کئی مثالیں بیان فرمائی ہیں:

مثال نمبر 1:

حکم شرعی یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی زمین میں کوئی چیز کاشت کرتا ہے اور اس کی زمین اس کاشت کردہ چیز سے بہتر چیز اگانے کی صلاحیت رکھتی ہے تو اس سے جو خراج وصول کیا جائے وہ اعلیٰ چیز کے اعتبار سے وصول کریں گے۔ یہ مسئلہ اپنی جگہ برحق ہے لیکن فقہاء کرام نے فرمایا کہ حکمرانوں کو یہ مسئلہ نہیں بتایا جائے کیونکہ اس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ ظالم حکمران زمینداروں سے مہنگی سے مہنگی چیز کا خراج وصول کریں گے اور کہیں گے کہ تم نے گندم اگائی ہے لیکن زعفران کا خراج دو کیونکہ تمہاری زمین اس کے اگانے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ چنانچہ اس صورت میں

زمیندار بیچارے حاکموں کے ظلم وتسلط کا شکار ہوں گے۔ اب ایسی جگہ اگر کوئی مفتی اپنے علاقے کے حاکموں کے احوال سے لاعلم ہونے کی وجہ سے کتابوں میں لکھا ہوا مسئلہ بیان کردے تو نتیجہ لوگوں پر ظلم کی صورت میں نکلے گا۔ اسی وجہ سے علامہ شامی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: تمہیں ہماری بحث سے معلوم ہو گیا ہوگا کہ مفتی کو کتابوں کی ظاہری عبارتوں پر ڈٹے رہنے اور عرف اور لوگوں کے احوال سے بے خبر رہنے سے بہت سے حقوق کا ضائع کرنا اور ایک کثیر مخلوق پر ظلم کرنا لازم آتا ہے۔

مثال نمبر2:

کسی جگہ مقتول پایا جائے اور قاتل کا پتہ نہ ہو تو امام اعظم کا قول یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے محلے والوں کے علاوہ کسی اور پر دعویٰ کیا اور اہل محلہ میں سے دو نے اس پر گواہی دی تو اُن کے نزدیک یہ گواہی قبول نہ کی جائے گی اور صاحبین نے فرمایا قبول کی جائے گی۔

بعد میں آنے والے علماء نے صاحبین کے قول پر فتوی دیا کیونکہ موجودہ زمانہ میں امام کے قول پر فتویٰ دینے سے ضرر عام ہوتا ہے، کیونکہ سرکش لوگوں کو اگر پتا چل گیا تو وہ ایسے محلات میں لوگوں کو بے دریغ قتل کریں گے جن میں اہل محلہ کے علاوہ اجنبی لوگ نہ رہتے ہوں، کیونکہ ان کو پتا ہوگا کہ اہل محلہ کی شہادت ان کے خلاف قبول نہ کی جائیگی۔

مثال نمبر3:

اصل مسئلہ یہ ہے کہ جس مسجد کے پاس آبادی کسی وجہ سے ختم ہو گئی ہو تو اس کا ملبہ دوسری مسجد پر نہیں لگایا جا سکتا لیکن جب بعض مشائخ نے اس مسئلہ پر فتوی دیا تو اسکا نتیجہ یہ ہوا کہ اس ویران مسجد کا ملبہ اٹھا کر لوگوں نے اپنے گھروں میں لگالیا تو پھر علماء نے حکم دیا کہ ویران مساجد کا ملبہ دوسری مساجد میں لگایا جا سکتا ہے۔

مثال نمبر4:

وہ شخص اسی جنس کی کسی چیز پر قدرت پائے تو اپنا حق وصول کر سکتا ہے کیونکہ پہلے زمانہ کے لوگ حقوق العباد کا خیال رکھتے تھے تو ان سے حق کا ملنا آسان ہوتا تھا لیکن جب فقہاء نے یہ دیکھا کہ اس زمانہ میں لوگوں کی دین اس قدر لاپرواہی ہے کہ وہ حقوق العباد کا کچھ بھی خیال نہیں رکھتے بلکہ ٹال مٹول سے کام لیتے ہیں تا کہ کسی طرح حق دینے سے جان چھوٹ جائے تو انہیں نے اس بات کی اجازت دی کہ خلاف جنس سے حق وصول کیا جا سکتا ہے بشرطیکہ قیمت برابر ہو تا کہ حقوق ضائع ہونے سے بچ جائیں۔

مثال نمبر5:

اصل مسئلہ یہ ہے کہ ارتداد سے مرد ہو یا عورت اسلام سے خارج ہو جاتے ہیں اور ان کا نکاح ٹوٹ جاتا ہے لیکن فقہاء فرماتے ہیں کہ ہمارے زمانے کی عورتیں بڑی جری اور بیباک ہوگئی ہیں تو جب انہیں شوہر سے طلاق نہ ملے گی تو کفر کا ارتکاب کر کے اس سے چھٹکارا حاصل کر لیں گی۔ اب چونکہ ہمارے بلاد میں ان کو باندیاں بنانا بھی ممکن نہیں اور نہ ان کو مار پیٹ کر مسلمان کرنے کا امکان ہے تو اس صورتحال کو دیکھتے ہوئے امام اہلسنت مجدد دین وملت مولانا الشاہ امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ نے یہ فتوی دیا کہ: مسلمان عورت کے ارتداد سے اس کا نکاح فسخ نہیں ہوتا ہے۔

ضعیف قول پر عمل کرنے کا حکم

یہ بات شروع کتاب میں ہم بیان کر چکے ہیں کہ عمل کرنے والے کیلئے عمل کرنے میں اور مفتی کے لئے فتوی دینے میں اور قاضی کیلئے فیصلہ کرنے میں ضروری ہے کہ وہ اس قول کو اختیار کریں جو اس مذہب میں راجح قول ہے اور ضعیف قول کو اختیار کرنے کی ہرگز اجازت نہیں۔ اس مسئلے میں علامہ سبکی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ ضعیف قول پر فتوی دینے کی تو اجازت نہیں لیکن عمل کرنے کی اجازت ہے لیکن علامہ ابن حجر مکی

کرنے کی ہرگز اجازت نہیں۔اس مسئلے میں علامہ سبکی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ ضعیف قول پر فتوی دینے کی تو اجازت نہیں لیکن عمل کرنے کی اجازت ہے لیکن علامہ ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کے فتاوی میں لکھا ہے کہ نہ فتوی دینے کی اجازت ہے اور نہ عمل کرنے کی۔علامہ سبکی کے کلام کے پیشِ نظر علامہ شرنبلالی نے فرمایا کہ فقہ شافعی میں اجازت ہے اور فقہ حنفی میں اجازت نہیں۔علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ اس طرح کے تمام اقوال نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ ان اقوال کو یوں آپس میں جمع کر سکتے ہیں کہ بوقتِ ضرورت تو ضعیف قول پر عمل کرنے کی اجازت ہے لیکن بلاضرورت عمل کرنے کی اجازت نہیں یعنی تشہی کی صورت میں اجازت نہیں اور "تشہی" یہ ہے کہ جب چاہا جس قول پر چاہا عمل کرلیا۔

ضرورت کی صورت میں ضعیف قول پر عمل بھی ہوسکتا ہے اور اس پر فتوی بھی دے سکتے ہیں اور قاضی کے فیصلہ کرنے کے بارے میں حکم یہ ہے کہ اگر قاضی مجتہد ہے تو اپنے اجتہاد کے مطابق عمل کرے اور اگر قاضی مقلد ہے تو اپنے مذہب کے راجح قول پر ہی فیصلہ کرے۔

اگر کسی مسئلہ میں علماء کا اختلاف

کسی مسئلے میں ائمہ ترجیح کا اختلاف ہو تو اس کی صورتیں اور ان کا حل تو اوپر بیان کر دیا ہے لیکن اگر اپنے ہم عصر دیگر علماء کسی مسئلے میں اختلاف کریں تو اس سلسلے میں چند چیزوں کا خیال رکھنا ضروری ہے۔

(1) اکابر علماء کی پیروی کرے اور ان کے برخلاف فتوی نہ دے۔

(2) اپنی تحقیق عوام میں ہرگز بیان نہ کرے اور نہ ہی اس مسئلے کو اچھالے۔

(3) کسی سُنی عالم دین کے خلاف سخت زبان استعمال نہ کرے۔

(4) کسی عالم کا غلط فتوی ملے تو فوراً اس کا رد لکھنے اور چھاپنے کی بجائے اس عالم سے رجوع کیا جائے اور اسے مسئلہ سمجھا دیا جائے اور بالفرض اس کے باوجود بھی وہ عالم نہ سمجھے تو اس مسئلے کو جگہ جگہ بیان کرنے کی بجائے بوقتِ ضرورت ہی بیان کرے۔

(6)ان مسائل کو ہرگز نہ چھیڑا جائے جن کا اعتقادی و عملی اعتبار سے کوئی فائدہ نہیں اور بحث مباحثے میں صرف علمیت کے اظہار کے علاوہ کچھ حاصل نہ ہو۔

مفتی اگر غلط فتوی دیدے

انبیاء کرام علیھم السلام اور فرشتوں کے علاوہ کوئی معصوم نہیں۔اس لئے مسئلہ شرعیہ بیان کرنے میں خطا ہو جانا کوئی ناممکن امر نہیں لہذا مسئلہ شرعیہ بیان کرنے میں اگر غلطی ہو جائے تو اس سے رجوع کرنے میں عار نہیں کرنی چاہیے، بلکہ خوش دلی کے ساتھ غلطی کو تسلیم کر کے رجوع کر لینا چاہیے۔

مشہور محدث عبد الرحمٰن بن مہدی رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ ایک حدیث پر عبد اللہ بن حسین سے میری گفتگو ہوگئی وہ اس وقت قاضی تھے، چند روز بعد میں پھر ان کے یہاں گیا تو ملاقاتی دو صفوں میں بیٹھے تھے۔عبد اللہ بن حسین نے انہی کے سامنے مجھ سے کہا "اس حدیث کے بارے میں تمہاری رائے صحیح ہے اور میں عاجزی کے ساتھ اپنے قول سے رجوع کرتا ہوں"۔یعنی قاضی ہونے کے باوجود لوگوں کی موجودگی میں رجوع کرنے سے کوئی شرمندگی محسوس نہیں کی اور یہ بات بھی یاد رہے کہ مسئلہ کی غلطی واضح ہو جانے کے بعد رجوع نہ کرنا ناجائز و حرام ہے۔اس سلسلے میں اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا یہ فتوی ملاحظہ فرمائیں:

غلط فتوی دینے کے بارے میں اہم فتوی

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جو صاحب جھوٹا مسئلہ بیان کریں ان کے واسطے شرع شریف کا کیا حکم ہے؟

الجواب

جھوٹا مسئلہ بیان کرنا سخت شدید کبیرہ ہے اگر قصداً ہے تو شریعت پر افتراء ہے اور شریعت پر افتراء اللہ عزوجل پر افتراء ہے، اور اللہ عزوجل فرماتا ہے:

﴿ان الذین یفترون علی اللہ الکذب لایفلحون﴾ وہ جو اللہ پر جھوٹ افتراء کرتے ہیں فلاح نہ پائیں گے۔

اور اگر بے علمی سے ہے تو جاہل پر سخت حرام ہے کہ فتویٰ دے۔ حدیث میں ہے نبی ﷺ فرماتے ہیں: من افتی بغیر علم لعنته ملئکة السماء والارض۔ جو بغیر علم کے فتویٰ دے اس پر آسمان و زمین کے فرشتے لعنت کرتے ہیں۔

ہاں اگر عالم سے اتفاقاً سہو واقع ہو اور اس نے اپنی طرف سے بے احتیاطی نہ کی اور غلط جواب صادر ہوا تو مواخذہ نہیں مگر فرض ہے کہ مطلع ہوتے ہی فوراً اپنی خطا ظاہر کرے، اس پر اصرار کرے تو پہلی شق یعنی افترا میں آجائے گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(فتاوی رضویه جلد 23 صفحه 711.712)

ایک اور جگہ کسی مفتی کو سمجھاتے ہوئے ارشاد فرمایا:

مولانا! اس فتوی باطلہ کا ابقاء ہرگز ٹھیک نہیں۔ باطل کا اعدام و افناء چاہیے نہ کہ تحفظ و ابقاء۔

(فتاوی رضویه جلد29ص593)

اعلیٰ حضرت، مجددِ دین و ملت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ ایک اور جگہ اسی مسئلے کو بیان فرمایا:

مفتی و مصدقین و مستفتی و اہل معاملہ سب صاحبوں سے خیر خواہانہ معروض اللہ عزوجل فرماتا ہے: ﴿فبشر عباد الذین یستمعون القول فیتبعون احسنه اولئك الذین هدٰهم اللہ و اولئك هم اولوا الالباب﴾۔ اے نبی! خوشی کی خبر دے میرے بندوں کو جو کان لگا کر بات سنیں پھر بہتر کی پیروی کریں وہی ہیں جن کو اللہ نے ہدایت دی اور وہی عقلمند ہیں۔

اور فرماتا ہے: ﴿والذین اذا فعلوا فاحشة او ظلموا انفسهم

ذکروا اللہ فاستغفروا لذنوبھم ومن یغفر الذنوب الا اللہ ولم یصروا علی مافعلوا وھم یعلمون ٥ اولئک جزاؤھم مغفرۃ من ربھم وجنت تجری من تحتھا الانھر خلدین فیھا ونعم اجر العلمین﴾

ترجمہ: اور (جنت ان کے لئے تیار کی گئی ہے کہ) جب کوئی بدی یا گناہ کر بیٹھیں اللہ کو یاد کر کے اپنے گناہوں کی بخشش مانگیں اور اللہ کے سوا کون گناہ بخشے اور اپنے کئے پر دانستہ ہٹ نہ کریں ان کا بدلہ ان کے رب کی طرف سے معافی ہے اور باغ جن کے نیچے نہریں ہیں ہمیشہ ان میں رہیں اور کام والوں کا کیا اچھا اجر ہے۔

ابوداؤد، ترمذی نے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے روایت کی، رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: ما اصر من استغفر جس نے معافی مانگ لی اس نے ہٹ نہ کی۔

امیر المومنین عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ان الحق قدیم ولا یبطل الحق شئی و مراجعۃ الحق خیر من التمادی فی الباطل۔ رواہ الدار قطنی والبیھقی و ابن عساکر عن ابی العوام البصری۔ بیشک حق قدیم ہے حق کو کوئی چیز باطل نہیں کرتی حق کی طرف رجوع باطل پر قائم رہنے سے بہتر ہے (اس کو دار قطنی، بیہقی اور ابن عساکر نے ابوالعوام البصری سے روایت کیا ہے۔)

یہ فرمان امیر المومنین نے اپنے قاضی ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو ارسال فرمایا۔

خوشی وشادمانی ہے انہیں جو سنیں اور گردن رکھیں انسان سے خطا مستبعد نہیں مگر خیر الخطائین التوابون خطا کی خیر اس میں ہے کہ توبہ کرے۔ رواہ احمد والترمذی وابن ماجۃ والحاکم وصححہ انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم (اس کو احمد، ترمذی، ابن ماجہ اور حاکم نے صحیح کہہ کر انس رضی اللہ عنہ سے انہوں نے نبی ﷺ سے روایت کیا ہے۔)

حق کی طرف رجوع سے عار وسوسہ ابلیس ہے اس کا ساتھ بہتر یا اس کے

ارشاد کی اطاعت جو قرآن مجید میں فرما چکا کہ گناہ پر اصرار نہ کیا تو میں نے تمہارے لئے جنت تیار کر رکھی ہے، شیطان سمجھتا ہے کہ رجوع کی تو علم و عقل کو بٹا لگے گا۔ دشمن جھوٹا ہے اور اللہ سچا کہ اچھی بات سن کر ماننے والے ہی ہدایت پر ہیں اور وہی عقل والے ہیں اللہ توفیق دے۔

بست و نہم: یہ فتوے چھپ کر شائع ہوئے ان کا ضرر متعدی ہوا، کہاں دہلی کرنال کہاں راولپنڈی گولڑہ جہاں سے یہاں آیا، اس کا ازالہ مفتی و مصدقین سب پر فرض ہے، جیسے یہ فتوے شائع ہوئے یوں ہی ان کا بطلان، ان سے رجوع ملک میں شائع کریں، اس میں اللہ کی رضا ہے اللہ کے رسول کی رضا ہے، خلق کے نزدیک عزت و وقعت ہے، حق پسند کا لقب ملنا بڑی دولت ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: اذا عملت سیئة فاحدث عندھا توبة السر بالسر والعلانية بالعلانية۔ رواہ الامام احمد فی الزھد والطبرانی فی الکبیر عن معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنه بسند حسن۔ جب تو گناہ کرے تو فوراً توبہ کر، خفیہ کی خفیہ اور علانیہ کی علانیہ۔ (اس کو امام احمد نے زہد میں اور طبرانی نے کبیر میں حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے بسند حسن روایت کیا۔)

(فتاوی رضویہ جلد 18 صفحہ 562.564)

خاتمہ

فتوی نویسی میں استعمال ہونے والے چند اہم اصول

(1) ''اَلْمَشَقَّةُ تَجْلِبُ التَّيْسِيرَ'' ترجمہ: مشقت آسانی کو کھینچتی ہے۔

(2) ''اَلضَّرُورَاتُ تُبِيحُ الْمَحْظُورَاتِ'' ترجمہ: ضرورتیں ممنوعات کو مباح کر دیتی ہیں۔

(3) ''مَا أُبِيحَ لِلضَّرُورَةِ يُقَدَّرُ بِقَدْرِهَا'' ترجمہ: جو چیز ضرورۃً مباح ہو وہ ضرورت کی حد تک مباح رہے گی۔ یعنی ضرورت کے دائرہ سے باہر اسے مباح نہیں سمجھا جائے گا۔

(4) ''مَا جَازَ لِعُذْرٍ بَطَلَ بِزَوَالِهِ'' ترجمہ: جو چیز کسی عذر کی وجہ سے جائز قرار دی جائے عذر ختم ہو جانے کے بعد اس کا جواز بھی ختم ہو جائے گا۔

(5) ''اَلضَّرَرُ لَا يُزَالُ بِالضَّرَرِ'' ترجمہ: ضرر کا ازالہ ضرر کے ذریعہ نہیں کیا جائے گا۔

(6) ''يُتَحَمَّلُ الضَّرَرُ الْخَاصُّ لِأَجْلِ دَفْعِ ضَرَرِ الْعَامِّ'' ترجمہ: ضرر عام کے دفع کے لیے ضرر خاص کو برداشت کیا جائے گا۔

(7) ''أَعْظَمُ ضَرَرًا يُزَالُ بِالْأَخَفِّ'' زیادہ ضرر والی چیز کم ضرر والی چیز کے ذریعہ زائل کی جائے گی۔

(8) ''مَنْ ابْتُلِيَ بِبَلِيَّتَيْنِ، وهُمَا مُتَسَاوِيَتَانِ يَأْخُذُ بِأَيَّتِهِمَا شَاءَ، وَإِنْ اخْتَلَفَا يَخْتَارُ أَهْوَنَهُمَا'' ترجمہ: جو کسی ایسی دو بلاؤں میں گھر جائے جو قباحت کے لحاظ سے مساوی ہوں تو دونوں میں سے جسے چاہے اختیار کرلے اور اگر ایک میں قباحت کم ہے دوسرے میں زیادہ تو کم والی کو اختیار کرے۔

(9) ''دَرْءُ الْمَفَاسِدِ أَوْلَى مِنْ جَلْبِ الْمَصَالِحِ'' ترجمہ: حصول نفع کے مقابلے میں نقصان سے بچنا زیادہ بہتر ہے۔

(10) ''إِذَا تَعَارَضَ الْمَانِعُ وَالْمُقْتَضِي، قُدِّمَ الْمَانِعُ'' ترجمہ: جب مقتضی اور مانع کے درمیان تعارض پیدا ہو جائے تو مانع کو ترجیح دی جائے گی۔

(11) ''إِذَا اجْتَمَعَ الْحَلَالُ وَالْحَرَامُ غَلَبَ الْحَرَامُ'' ترجمہ: جب کسی مسئلے میں حلال و حرام دونوں پہلو جمع ہو جائیں تو حرام کے پہلو کو ترجیح دی جائے گی۔

(12) ''تَصَرُّفُ الْإِمَامِ عَلَى الرَّعِيَّةِ مَنُوطٌ بِالْمَصْلَحَةِ'' ترجمہ: عوام کے مسائل و حقوق میں سلطان وقت کے تصرفات مصلحت پر مبنی ہوں گے۔

(13) ''الْوِلَايَةُ الْخَاصَّةُ أَقْوَى مِنْ الْوِلَايَةِ الْعَامَّةِ'' ترجمہ: ولایت خاصہ ولایت عامہ کے مقابلے میں زیادہ قابل ترجیح ہوگی۔

(14) ''الْأُمُورُ بِمَقَاصِدِهَا'' ترجمہ: امور کا دارومدار ان کے مقاصد پر ہوتا ہے۔

(15) ''الْيَقِينُ لَا يَزُولُ بِالشَّكِّ'' ترجمہ: یقین شک سے زائل نہیں ہوگا۔

(16) ''مَا ثَبَتَ بِيَقِينٍ لَا يَرْتَفِعُ إِلَّا بِيَقِينٍ'' ترجمہ: جو چیز یقین سے ثابت ہو وہ یقین ہی کے ذریعہ مرتفع ہوگی۔

(17) ''الْأَصْلُ الْعَدَمُ'' ترجمہ: موجود نہ ہونا ہی اصل ہے۔ نوٹ: اس ضابطہ کا تعلق ان اوصاف سے ہے جو کسی چیز کو عارض ہوتے ہیں۔

(18) ''فَالْأَصْلُ الْوُجُودُ'' ترجمہ: موجود ہونا ہی اصل ہے۔ اس ضابطہ کلیہ کا تعلق کسی چیز کی صفات اصلیہ سے ہے۔

(19) ''الْحُدُودُ تُدْرأُ بِالشُّبُهَاتِ'' ترجمہ: شبہات کی وجہ سے حدود نافذ نہیں کی جاتیں۔

(20) ''التَّعْزِيرُ يَثْبُتُ مَعَ الشُّبْهَةِ'' ترجمہ: شبہ بھی تعزیر کے لیے کافی ہے۔ نوٹ: شبہ کہتے ہیں جو ثابت نہ ہو لیکن ثابت کے مشابہ ہو۔

(21) ''مَا حَرُمَ أَخْذُهُ حَرُمَ إِعْطَاؤُهُ'' ترجمہ: جس چیز کا لینا حرام ہے اس کا دینا بھی حرام ہے۔

(22) ''مَا حَرُمَ فِعْلُهُ حَرُمَ طَلَبُهُ'' ترجمہ: جس کام کا کرنا حرام ہے اس کی طلب بھی حرام ہے۔

(23) ''لَا عِبْرَةَ بِالظَّنِّ الْبَيِّنِ خَطَؤُهُ'' ترجمہ: اس گمان کا کوئی اعتبار نہیں جس کا غلط ہونا ظاہر ہو۔

(24) ''ذِكْرُ بَعْضِ مَا لَا يَتَجَزَّأُ كَذِكْرِ كُلِّهِ'' ترجمہ: کسی ایسے ٹکڑے کا ذکر جو کل سے الگ نہ کیا جا سکے کل کے ذکر کی طرح ہے۔

(25) ''إِذَا اجْتَمَعَ الْمُبَاشِرُ وَالْمُتَسَبِّبُ أُضِيفَ الْحُكْمُ إِلَى الْمُبَاشِرِ'' ترجمہ: جب کسی کام کا مرتکب اور سبب دونوں جمع ہو جائیں تو حکم کا تعلق

مرتب کے ساتھ ہوگا۔

(26) ''إِعْمَالُ الْكَلَامِ أَوْلَى مِنْ إِهْمَالِهِ مِنْ فُرُوعِهِ'' ترجمہ: کسی کلام کو بامعنی بنانا اسے مہمل بنانے سے بہتر ہے۔

(27) ''التَّابِعُ تَابِعٌ'' ترجمہ: وجود میں تابع حکم میں بھی تابع ہوتا ہے۔

(28) ''التَّابِعُ يَسْقُطُ بِسُقُوطِ الْمَتْبُوعِ'' ترجمہ: متبوع کے سقوط سے تابع بھی ساقط ہوجاتا ہے۔

(29) ''يَسْقُطُ الْفَرْعُ إِذَا سَقَطَ الْأَصْلُ'' ترجمہ: اصل جب ساقط ہوجائے تو فرع بھی ساقط ہوجاتی ہے۔

(30) ''الْحَرْبُ خُدْعَةٌ'' ترجمہ: جنگ دشمن کو دھوکے میں رکھنے کا نام ہے۔

(31) ''الثابت بالعرف كالثابت بالنص'' ترجمہ: عرف کے ذریعہ جو چیز ثابت ہو اس کا نفاذ بالکل ایسے ہی ہوگا جیسے کوئی چیز نص کے ذریعہ ثابت ہو۔

(32) ''العادة تجعل حكما اذا لم يوجد التصريح بخلافه'' ترجمہ: عادت و عرف پر وہاں حکم لگایا جائے گا جہاں نص صریح اس کے مخالف نہ ہو۔

(33) ''البناء على الظاهر واجب مالم يتبين خلافه'' ترجمہ: ظاہر پر حکم کی بنیاد رکھنا واجب ہے جب تک اس کے خلاف ثبوت نہ ہو۔

تمت بالخیر